

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ رُبِّكُمْ [الأعراف: ۳۰]
”تو تمہارا رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اسی کا اتباع کرو“

پانچ اہم دینی مسائل

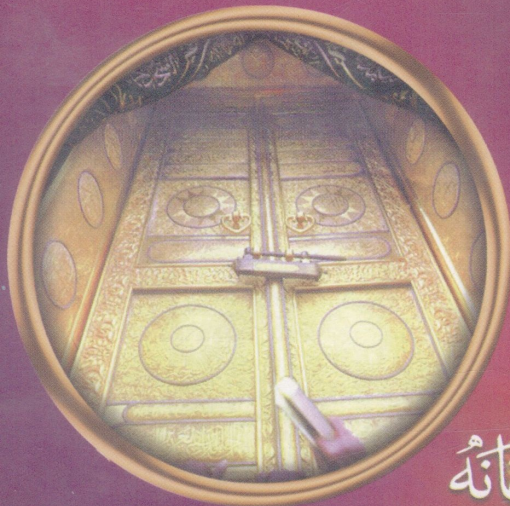
عشرہ ذوالحجہ عیدین قربانی عقیقہ

اور نومولود بچے سے متعلقہ مسائل کا تحقیقی جائزہ

کتاب و سنت اور صحیح احادیث کی روشنی میں مع تخریج و تحقیق

تالیف

حافظ عمران الیوب اللہوری



نعمانی کتب خانہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

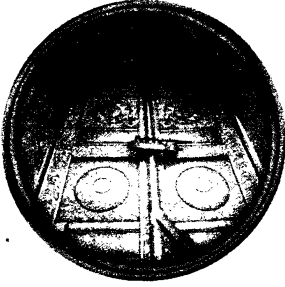
← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com



پانچ اہم دینی مسائل



نام کتاب
پانچ اہم دینی مسائل

تالیف
حافظ عمران ایوب لاہوری

کمپوزنگ
عرفان ایوب لاہوری

سرورق
رضم لاہور

تاریخ اشاعت

فروری ۲۰۰۲ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

ناشر
نعمانی کتب خانہ

e-mail: nomania2000@hotmail.com



COPY RIGHT

All rights reserved

Exclusive rights by nomani kutab khana Lahore Pakistan. No part of this publication may be translated, reproduced, distributed in any form or by any means or stored in a data base retrieval system, without the prior written permission of the publisher.

پانچ اہم دینی مسائل

عشرہ ذوالحجہ عیدین قربانی عقیقہ
اور نومولود بچے سے متعلقہ مسائل کا تحقیقی جائزہ
کتاب و سنت اور صحیح احادیث کی روشنی میں مع تخریج و تحقیق

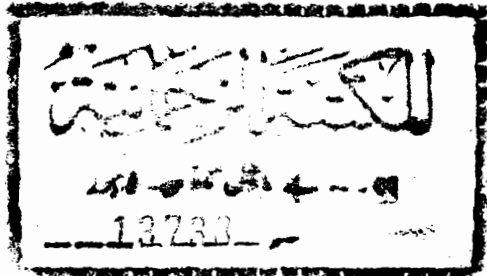


تالیف
حافظ عمران ایوب لاہوری

نعمانی کتب خانہ



شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

15

www.KitaboSunnat.com

* پیش لفظ

عشرہ ذوالحجہ کے مسائل

21	عشرہ ذوالحجہ کا معنی و مفہوم	*
21	عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت	*
22	فضیلت عشرہ ذوالحجہ کی وجوہات	*
24	کیا عشرہ ذوالحجہ کے اعمال جہاد سے افضل ہیں؟	*
24	کیا عشرہ ذوالحجہ کے روزے رمضان کے روزوں سے افضل ہیں؟	*
26	عشرہ ذوالحجہ میں جستجو سے عبادات کرنا	*
27	عشرہ ذوالحجہ میں تکلیرات کہنا	*
28	صحابہ کا معمول	*
28	قربانی کی نیت ہو تو عشرہ ذوالحجہ میں بال نہ کاٹنا	*
28	نوذوالحجہ کے روزے کی فضیلت	*

مسائل عیدین

33

* عیدین کا معنی و مفہوم

33	عید کے دن غسل کرنا	✽
35	عید کے دن عمدہ لباس پہننا	✽
37	نماز عید الفطر سے پہلے فطرانہ کی ادائیگی	✽
37	نماز عید سے پہلے کھانا	✽
38	نماز عیدین کا حکم	✽
41	نماز عیدین کا وقت	✽
43	اگر زوال آفتاب کے بعد عید کا علم ہو	✽
44	نماز عید کے لیے کھلے میدان کا انتخاب	✽
45	کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز عید کی ادائیگی	✽
46	عورتوں کا عید گاہ جانا	✽
48	عورتیں باپردہ ہو کر نکلیں	✽
49	عورتیں خوشبو لگا کر نہ نکلیں	✽
50	بچوں کو عید گاہ لے کر جانا	✽
51	عید گاہ کی طرف پیدل جانا	✽
52	عید گاہ جاتے ہوئے تکبیریں کہنا	✽
53	تکبیرات کی ابتدا اور انتہا	✽
55	تکبیرات کے الفاظ	✽
56	کیا عورتیں بھی تکبیریں کہیں گی؟	✽
56	نماز عید کے لیے آذان اور اقامت نہیں	✽

57	نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی نفل نماز نہیں	✽
59	نماز عید کے بعد گھر جا کر نماز	✽
59	عید گاہ میں امام کے سامنے سترہ رکھنا	✽
60	نماز عید کی رکعتیں	✽
61	نماز عید کی قراءت	✽
61	نماز میں تکبیرات زائدہ	✽
63	ہردو تکبیروں کا درمیانی فاصلہ	✽
64	تکبیرات عیدین کا حکم	✽
65	اگر کسی کو تکبیرات کے عدد میں شک ہو جائے	✽
65	تکبیرات عیدین کے ساتھ رفع الیدین	✽
66	جو تشهد میں امام سے ملے وہ کیا کرے؟	✽
68	امام نماز کے بعد خطبہ دے	✽
70	خطبہ عید کا حکم	✽
70	نماز عید کا صرف ایک خطبہ ہے	✽
72	خطبہ عید کے لیے منبر مشروع نہیں	✽
73	ایک شخص نماز عید پڑھائے اور دوسرا خطبہ دے	✽
73	عورتوں کو وعظ و نصیحت	✽
75	نماز عید کے بعد مبارکباد دینا	✽
76	نماز عید کی قضا	✽

76	واپسی پر راستہ تبدیل کرنا	✱
77	عید اگر جمعہ کے روز آجائے	✱
78	بروز جمعہ عید ہو تو کیا ظہر پڑھی جائے گی	✱
80	عید کے دن روزے کا حکم	✱
81	ایام تشریق میں روزے کا حکم	✱
82	عید کے دن جہادی مظاہرہ	✱
83	عید کے دن مباح کھیل کود	✱
83	عید کے دن بیہودگی سے پاک اشعار کہنا	✱
84	عیدین کے متعلق ایک من گھڑت روایت	✱

مسائل قربانی

87	قربانی کا معنی و مفہوم اور وجہ تسمیہ	✱
88	فرزند ان توحید کی عظیم قربانی	✱
91	قربانی سے مقصود محض جانور ذبح کرنا نہیں	✱
93	پچھلی امتوں کے لیے قربانی کی مشروعیت	✱
93	اس امت کے لیے قربانی کی مشروعیت	✱
96	قربانی کا حکم	✱
97	وہ صورتیں جن میں قربانی واجب ہو جاتی ہے	✱
99	قربانی کے حکم سے متعلقہ چند ضعیف روایات	✱

100	جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتا وہ کیا کرے؟	✽
101	قربانی کی فضیلت	✽
102	قربانی صرف رضائے الہی کے لیے کرنی چاہیے	✽
104	شرائط قربانی	✽
104	اللہ تعالیٰ کن کی قربانی قبول فرماتے ہیں؟	✽
106	قربانی کا جانور کیسا ہو؟	✽
108	رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل	✽
109	کس جانور کی قربانی افضل ہے؟	✽
111	قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا کرنا	✽
112	خصی جانور کی قربانی	✽
113	بھینس کی قربانی	✽
117	کن جانوروں کی قربانی جائز نہیں؟	✽
118	بیمار جانور کی قربانی	✽
118	حاملہ جانور کی قربانی	✽
119	قربانی کے جانور پر سوار ہونا	✽
120	کیا قربانی کا جانور فروخت کیا جاسکتا ہے؟	✽
121	قربانی کرنے والا کن امور سے اجتناب کرے؟	✽
122	جو قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو کیا وہ بھی بال اور ناخن نہ کاٹے؟	✽
123	جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے کیا وہ بھی بال وغیرہ نہ کاٹے؟	✽

124	قربانی کا وقت	✽
126	قربانی کتنے دن کی جاسکتی ہے؟	✽
128	کس دن کی قربانی افضل ہے؟	✽
129	قربانی کی جگہ	✽
129	قربانی کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے	✽
131	جانور قبلہ رخ لٹانا چاہیے	✽
131	جانور کے پہلو پر پاؤں رکھنا	✽
132	اونٹ نحر کرنے کا طریقہ	✽
133	زندہ جانور سے کاٹا ہوا گوشت حرام ہے	✽
134	چھری چلانے سے پہلے دعا پڑھنا	✽
135	ہر خون بہا دینے والی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے سوائے.....	✽
136	جانور خود ذبح کرنا چاہیے	✽
138	کیا قصائی سے ذبح کرنا درست ہے؟	✽
138	کیا عورت ذبح کر سکتی ہے؟	✽
140	مکمل اہل و عیال کی طرف سے ایک بکری	✽
143	اونٹ اور گائے کے حصے	✽
144	کیا مختلف لوگ مل کر ایک بکری قربان کر سکتے ہیں؟	✽
145	قربانی کرنا افضل ہے یا قربانی کی قیمت صدقہ کر دینا؟	✽
146	قربانی کا گوشت کیسے تقسیم کیا جائے؟	✽

148	کیا غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے؟	✱
149	قربانی کی کھالوں کا مصرف	✱
150	کیا قربانی کا گوشت یا کھال فروخت کی جاسکتی ہے؟	✱
151	کیا قربانی کا گوشت یا کھال قصائی کو بطور اجرت دی جاسکتی ہے؟	✱
152	زندہ افراد کی طرف سے قربانی	✱
153	میت کی طرف سے قربانی	✱
159	والدین کی طرف سے قربانی	✱
160	سود کے مال سے قربانی کا حکم	✱
162	بے نماز کی قربانی	✱
167	کیا مقروض شخص قربانی کر سکتا ہے؟	✱
167	قربانی اور منکرین حدیث	✱
168	دار الحرب میں قربانی کا حکم	✱
168	کیا قربانی معاشی نقصان کا باعث ہے؟	✱

مسائل عقیقہ

173	عقیقہ کا معنی و مفہوم	✱
174	عقیقہ کی مشروعیت	✱
176	عقیقہ کی حکمت	✱
177	اگر عقیقہ کی طاقت نہ ہو	✱

178	عقیقہ کے لیے کون سا جانور قربان کیا جائے؟	✽
182	عقیقہ کے جانور نہ ہوں یا مادہ؟	✽
182	عقیقہ کے لیے کتنے جانور قربان کیے جائیں	✽
184	عقیقہ کا جانور قربان کرتے وقت بسم اللہ کہنا	✽
185	عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط	✽
186	عقیقہ کا وقت	✽
187	اگر کوئی ساتویں روز سے پہلے عقیقہ کر لے	✽
187	کیا ساتویں روز کے بعد عقیقہ کیا جاسکتا ہے؟	✽
188	کیا انسان خود اپنا عقیقہ کر سکتا ہے؟	✽
189	عقیقہ کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا	✽
191	نا تمام بچے کی طرف سے عقیقہ کا حکم	✽
191	اگر بچہ ساتویں روز سے پہلے فوت ہو جائے	✽
192	میت کی طرف سے عقیقہ	✽
193	زندہ والدین کی طرف سے عقیقہ	✽
193	عقیقہ کے جانور کے گوشت اور کھال کا مصرف	✽

نو مولود بچے سے متعلقہ مسائل

197	بچے کے کان میں اذان اور اقامت کا حکم	✽
199	بچے کا سر منڈانا	✽

199	بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ	✽
200	بچے کے بال منڈا کر سر پر خوشبو لگانا	✽
201	بچے کا نام رکھنا	✽
202	اللہ کے پسندیدہ نام	✽
203	برے نام	✽
204	برانا نام تبدیل کر دینا چاہیے	✽
205	انبیاء کے نام پر نام رکھنا	✽
206	بچوں کے لیے چند عمدہ نام	✽
206	(1) انبیاء کرام کے اسمائے مبارکہ	✽
207	(2) حضرت محمد ﷺ کے صفاتی نام	✽
208	(3) ازواج مطہرات کے اسمائے مطہرہ	✽
208	(4) آنحضرت ﷺ کے اولاد و احفاد کے نام	✽
208	(5) مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	✽
213	(6) مشہور صحابیات رضی اللہ عنہن کے نام	✽
216	بچوں کی کنیت رکھنا	✽
216	لڑکی کی کنیت رکھنا	✽
217	نومولود کو گڑھتی (تحنیك) دینا	✽
219	نومولود کو تحفہ دینا	✽
219	ختنہ کرانا	✽

222	ختنہ کرانے کا وقت	✽
222	کیا لڑکیوں کا بھی ختنہ کرایا جائے گا؟	✽

ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

شرعی سائنسی اور طبی بصائر کی روشنی میں

از ڈاکٹر شفیق الرحمن کیلانی حفظہ اللہ

227	(1) اُسوۂ حسنہ	✽
230	(2) جدید طبی تحقیقات شرعی بصائر	✽
237	(3) مذبح منیٰ کا واقعہ	✽
239	(4) ذبح کرنے کے اسلامی طریقے کی اصل روح	✽
240	(5) چند اعتراضات اور ان کے جوابات	✽
245	ما حاصل	✽





پیش لفظ

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے ہر گوشہ زندگی میں ہماری کامیاب رہنمائی کرتا ہے۔ یقیناً اسلام کی صورت میں خالق کائنات نے اپنی تمام تر مخلوق کے لیے ایسے سنہری اصول مرتب فرما کر نازل کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود انسان کا بھی نہ صرف اخروی فائدہ ہے بلکہ دنیاوی کامیابی کا راز بھی انہی میں پنہاں ہے۔ یہ سب جاننے کے باوجود ہر چند کہ ہمیں اسلامی تعلیمات سیکھنے کے ہزار ہا مواقع بھی میسر ہوتے ہیں لیکن ہم دور اندیشی سے کام نہیں لیتے بلکہ جزوقتی آسائش و سکون کے لیے ایسے تمام مواقع مسترد کر دیتے ہیں اور جہالت و کم علمی کے باعث محض رسمی و رواجی مسلمان بن کر زمانے کی غلط روش کے مطابق ہی چلتے رہتے ہیں۔

ہمیں دنیاوی معاملات کا تو بہت علم ہے لیکن ہم دین کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ عیدین یا قربانی کے مسائل ہی لے لیجئے۔ ہمیں اتنا تو علم ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو خوشی کے دن ہیں، ان میں مختلف قسم کے پکوان تیار کرنے ہیں، رشتہ داروں اور دوست احباب سے ملاقاتیں کرنی ہیں، سینما ہالز کو آباد کرنا ہے اور وقت ملا تو کرکٹ

کھینا ہے، لیکن یہ علم نہیں کہ عید کی نماز بھی ادا کرنی ہے یا نہیں، اگر نماز عید رہ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اسے ادا کرنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح قربانی کے متعلق ہمیں اتنا تو علم ہے کہ قربانی کے لیے جانور خریدنا ہے لیکن یہ علم نہیں کہ قربانی کے لیے کیسا جانور ذبح کرنا چاہیے؟ کن جانوروں کی قربانی قبول نہیں ہوتی؟ اور قربانی کی کیا شرائط ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

نیز اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد جیسی بے مثال نعمت سے نوازے تو ہمیں ساگرہ کرنا (جو ایک غیر اسلامی تہوار ہے) تو ہر سال یاد ہوتا ہے لیکن پیدائش کے ساتویں روز نومولود بچے کا عقیقہ کرنا، اس کا سر منڈا کر بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا، ہمیں یکسر یاد نہیں رہتا حالانکہ یہ سب افعال اسلام کا حصہ ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہم پر صادق آچکا ہے جو اس نے جاہلوں کے متعلق قرآن میں نقل فرمایا ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ۝﴾

”اللہ کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور

آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔“

اسی صورتحال کے پیش نظر راقم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس قسم کے وہ چند مسائل جن سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا رہتا ہے یکجا کر دیے جائیں۔ یہ کتاب اسی کاوش کی آئینہ دار ہے۔

اس کتاب میں مسائل کے استنباط کے لیے صرف صحیح احادیث کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ ہر حدیث کے بعد اس کا حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی مزید تحقیق کے

لیے اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنا چاہے تو مشکل پیش نہ آئے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب کی احادیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ مسائل کی مزید تائید اور افادہ عام کی غرض سے مختلف فقہاء و مفتیان کے فتاویٰ جات بھی نقل کیے گئے ہیں جن میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام شوکانی، حافظ ابن حجر، امام نووی، امام ابن قدامہ، علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، شیخ ابن باز، شیخ ابن عثیمین، شیخ ابن جبرین، سعودی مجلس افتاء اور بعض دیگر علماء بھی شامل ہیں۔ اردو عبارت نہایت سلیس اور آسان فہم رکھی گئی ہے تاکہ قارئین کو مسائل سمجھنے میں آسانی رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور راقم اور اس کے اہل و عیال کے لیے دنیاوی و اخروی نجات کا سبب بنائے۔ (آمین)

[ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم]

حافظ عمران ایوب لاہوری

کتبہ بتاریخ : 1 جنوری 2004ء

بمطابق : 8 ذیقعد 1424ھ

ایڈریس : مکان نمبر 52 گلی نمبر 7 اورنگ زیب

پارک شمع کالونی مین شہباز روڈ شاد باغ لاہور۔

فون : 0300-4411524

ای میل : hfzimran_ayub@yahoo.com

مسائل عشرہ ذوالحجہ

مسائل عشرہ ذوالحجہ

عشرہ ذوالحجہ کا معنی و مفہوم

”عشرہ“ دس کو کہتے ہیں اور ذوالحجہ اسلامی مہینوں میں سے آخری مہینے کا نام ہے اور چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ عشرہ ذوالحجہ سے مراد ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں جن میں سے دسواں دن عید الاضحیٰ کا ہوتا ہے۔

عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت

ان دس ایام کی بہت زیادہ فضیلت ہے جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ [الفجر: ۱-۲]

”قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ

((والليالي العشر المراد بها عشر ذى الحجة كما قاله ابن عباس وابن

الزبير ومجاهد وغير واحد من السلف والخلف))

”اور دس راتوں سے مراد عشرہ ذوالحجہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت

ابن زبیر رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دیگر متعدد سلف و خلف اسی کے قائل ہیں۔ (۱)

اسی آیت کی تفسیر میں امام شوکانی فرماتے ہیں کہ

((وَلَيَالٍ عَشْرٍ : أى ليالى عشر من ذى الحجة))

”اور دس راتوں سے مراد عشرہ ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں۔“ (۲)

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۶/۲۴۹)]

(۲) [تفسیر فتح القدیر (۵/۵۲۹)]

اللہ تعالیٰ کا ان دس راتوں کی قسم کھانا یقیناً عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔

(2) ((عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ما من أيام العمل الصالح فيها أحب إلى الله عز وجل، من هذه الأيام، یعنی: أيام العشر، قالو: یا رسول اللہ! ولا الجهاد فی سبیل اللہ؟ قال: ولا الجهاد فی سبیل اللہ؛ إلا رجل خرج بنفسه وماله ثم لم يرجع بشیء من ذلك))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ان دنوں یعنی عشرہ ذوالحجہ کے دنوں کے نیک عمل سے زیادہ کسی دن کے عمل میں فضیلت نہیں۔ لوگوں نے پوچھا اور جہاد میں بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جہاد میں بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان و مال خطرہ میں ڈال کر نکلا اور ان میں سے کچھ بھی واپس نہ لایا۔ (سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا)۔“ (۱)

(3) ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما من أيام أعظم عند الله سبحانه ولا أحب إليه العمل فيهن، من هذه الأيام العشر؛ فأكثروا فيهن من التهليل والتكبير والتحميد))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عمل اس قدر پر عظمت اور پسندیدہ نہیں جتنا وہ عمل ہے جو ان دس دنوں میں کیا جائے۔ لہذا تم ان دنوں میں کثرت سے لا الہ الا اللہ اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو۔“ (۲)

فضیلت عشرہ ذوالحجہ کی وجوہات

غالباً اس فضیلت کی وجوہات میں سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں اسلام کا ایک

(۱) [بخاری (۹۶۹) کتاب العیدین: باب فضل العمل فی أيام التشریق؛ أبو داود

(۲۴۳۸) ترمذی (۷۵۷) ابن ماجہ (۱۷۲۷) دارمی (۱۷۸۰، ۱۷۸۱) أحمد

(۲۲۴۱) شرح السنة (۱۱۲۵)

(۲) [أحمد (۷۵۱۲) مسند عبد بن حمید (۸۰۷)]

اہم رکن ”حج“ ادا کیا جاتا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت کا سبب ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

((والذی يظهر أن السبب في امتياز عشر ذى الحجة لمكان اجتماع أمهات العبادة فيه، وهي الصلاة والصيام والصدقة والحج، ولا يتأتى ذلك في غيره))

”عشرہ ذوالحجہ کے امتیاز کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں (تمام) بنیادی عبادات جمع ہوتی ہیں اور وہ نماز، روزہ، صدقہ اور حج ہیں اور ان (دنوں) کے علاوہ کسی اور دن میں حج نہیں ہوتیں۔“ (۱)

نیز ان دنوں کی امتیازی شان کا سبب یہ بھی ہے کہ ان میں نوزوالحجہ یعنی یوم عرفہ کا روزہ ہے جو دو سال (ایک گزشتہ اور ایک آئندہ سال) کے گناہوں کی بخشش کا باعث بنتا ہے۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ سے یوم النحر یعنی عید الاضحیٰ کے پہلے دن کی بطور خاص فضیلت ثابت ہے جو کہ انہی دس ایام میں سے آخری دن ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عبد الله بن قرط رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: إن أعظم الأيام

عند الله يوم النحر ثم يوم القر))

”حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے عظیم دن یوم النحر (یعنی عید کا پہلا دن) ہے پھر یوم القر (یعنی دوسرا دن) ہے۔“ (۲)

اگرچہ علماء نے ان دس دنوں کی فضیلت کی یہ تمام توجیہات بیان کی ہیں لیکن زیادہ

(۱) [فتح الباری (۲/۴۶۰)]

(۲) [ابو داؤد (۱۷۶۵) کتاب المناسک: باب الہدی إذ اعطب قبل أن یبلغ، شیخ البانی

نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۱۵۵۲)]

مناسب بات یہ ہے کہ اس فضیلت کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

کیا عشرہ ذوالحجہ کے اعمال جہاد سے افضل ہیں؟

صحیح بخاری میں عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت والی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جہاد بھی ان دس دنوں کے اعمال سے افضل نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ((ولا الجهاد فی سبیل اللہ)) ”اور جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں ہے۔“

بعض لوگوں نے اس سے یہ مفہوم اخذ کر لیا ہے کہ ان دس دنوں میں کیا گیا کوئی بھی نیک عمل دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہے مثلاً ان دنوں کے نوافل، ذکر و اذکار یا صدقہ و خیرات وغیرہ دوسرے دنوں کے جہاد و قتال سے افضل ہیں اس لیے انہی دنوں میں زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ سرانجام دے کر جہاد سے بھی زیادہ فضیلت حاصل کی جاسکتی ہے۔

حالانکہ اس حدیث کا مطلب یوں نہیں بلکہ یہ ہے کہ عمل کا اسی عمل کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا نہ کہ کسی بھی عمل کا کسی دوسرے عمل کے ساتھ۔ یعنی ان دنوں کے جہاد کا دوسرے دنوں کے جہاد سے ہی مقابلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ان دنوں کا جہاد دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہے، اسی طرح ان دنوں کے اذکار دوسرے دنوں کے اذکار سے افضل ہیں وغیرہ وغیرہ۔

گذشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ عشرہ ذوالحجہ میں کیا گیا کوئی بھی صالح عمل دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل نہیں ہے (سوائے شہادت کی موت کے) بلکہ ان دس دنوں کا جہاد ہی دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہو سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

کیا عشرہ ذوالحجہ کے روزے رمضان کے روزوں سے افضل ہیں؟

اسی حدیث سے یہ بھی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ میں رکھے گئے روزے

رمضان کے روزوں سے بھی افضل ہیں کیونکہ اس حدیث میں ان دنوں کے نیک اعمال کو باقی تمام دنوں کے نیک اعمال پر فضیلت دی گئی ہے اور باقی دنوں میں ماہ رمضان بھی شامل ہے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ ان دس دنوں میں رکھے جانے والے روزے نفل ہی ہیں کیونکہ ان میں کوئی روزے فرض نہیں کیے گئے بلکہ فرض روزے صرف رمضان کے ہیں اگرچہ احادیث میں نوافل کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وما يزال عبدی يتقرب إلی بالنوافل حتی أحبه ، فإذا أحبته كنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ، ویده الذی یبطش بها ، ورجله الذی یمشی بها ، وإن سألنی لأعطينه ، ولنن استعاذنی لأعیدنه))

”اور میرا بندہ نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔“ (۱)

لیکن نوافل کسی صورت میں بھی فرائض سے افضل نہیں ہو سکتے جیسا کہ اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وما تقرب إلی عبدی بشیء أحب إلی مما افترضت علیہ))

(۱) [بخاری (۶۵۰۲) کتاب الرقاق : باب التواضع]

”اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔“ (۱)

اور اس کی مزید تائید اُس اصولی قاعدہ سے بھی ہوتی ہے جسے علمائے اصولیین نے اصولی قواعد کی کتب میں درج کیا ہے:

((الفرض أفضل من النفل))

”فرض نفل سے افضل ہے۔“ (۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عشرہ ذوالحجہ کے روزے نفلی ہیں اور رمضان کے فرض اور فرض ہمیشہ نفل سے افضل ہوتا ہے لہذا رمضان کے روزے ان دنوں کے روزوں سے افضل ہیں۔

عشرہ ذوالحجہ میں جستجو سے عبادات کرنا

عشرہ ذوالحجہ میں صاحب حیثیت لوگ توجح کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور اس عظیم فریضہ اسلام کی ادائیگی سے بے پناہ اجر حاصل کر کے لوٹتے ہیں لیکن غرباء حضرات اس فریضہ کی طاقت نہ ہونے کے باعث اجر سے محروم رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے ان دس دنوں کے اعمال کو بہت زیادہ افضل قرار دے دیا تاکہ یہ بھی زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کر سکیں۔

اس لیے حج کے لیے نہ جانے والے لوگوں کو چاہیے کہ ان دنوں میں خصوصی عبادات کا اہتمام کریں، نوافل ادا کریں، روزے رکھیں، کثرت سے اذکار و دعائیں کریں، صدقہ و خیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، جہاد کے عمل کو مزید تیز کریں اور جو بھی نیکی کا کام کر سکیں ضرور کریں۔ سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ کار تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ

(۱) [أيضاً]

(۲) [القواعد الفقهية للدكتور يعقوب بن عبد الوهاب الباحسين]

((فكان سعيد بن جبير رحمه الله تعالى إذا دخل أيام العشر اجتهد اجتهادا شديدا حتى ما يكاد يقدر عليه))

”حضرت سعيد بن جبیرؓ جب عشرہ ذوالحجہ شروع ہو جاتا تو خوب سعی و جدوجہد سے ۱۴۱ سال صالحہ بجالاتے۔“ (۱)

عشرہ ذوالحجہ میں تکبیرات کہنا

ان دنوں میں جہاں دیگر عبادات کا اہتمام کرنا چاہیے وہاں بالخصوص کثرت سے تکبیریں بھی کہنی چاہئیں اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ﴾ [الحج: ۲۸]

”اور معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو۔“

امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ

((قال ابن عباس وذكروا الله في أيام معلومات ”وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي

أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ“ أيام العشر))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ (اس آیت) ”اور اللہ تعالیٰ کا ذکر معلوم

دنوں میں کرو“ میں ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔“ (۲)

(۲) ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول الله ﷺ: ما من أيام أعظم عند الله سبحانه ولا أحب إليه العمل فيهن، من هذه الأيام

العشر؛ فأكثروا فيهن من التهليل والتكبير والتحميد))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے

(۱) [دارمی (۱۷۸۱) الترغیب والترہیب (۱۹۸/۲)]

(۲) [بخاری (قبل الحدیث ۹۶۹) کتاب العیدین: باب فضل العمل فی ایام التشریق]

نزدیک کوئی عمل اس قدر پر عظمت اور پسندیدہ نہیں، جتنا وہ عمل ہے جو ان دس دنوں میں کیا جائے۔ لہذا تم ان دنوں میں کثرت سے لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو۔“ (۱)

صحابہ کا معمول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ جب بھی کسی اجر و ثواب کے کام کا علم ہوتا تو بلا تامل اس پر عمل کے لیے کمر بستہ ہو جاتے۔ مذکورہ روایات کے مطابق صحابہ ان دس دنوں میں با آواز بلند تکبیرات کہا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

((وکان ابن عمر رضی اللہ عنہ وأبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ یخرجان إلی السوق فی آیام العشر ینکبران ویکبر الناس بتکبیرہما))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دس دنوں میں بازار کی طرف نکل جاتے اور تکبیریں کہتے اور لوگ بھی ان بزرگوں کی تکبیر سن کر تکبیریں کہتے۔“ (۲)

قربانی کی نیت ہو تو عشرہ ذوالحجہ میں بال نہ کاٹنا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا رأیتم ہلال ذی الحجۃ وأراد أحدکم أن یضحی فلیمسک عن شعرہ وأظفارہ))

”جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رک جائے۔“ (۳)

نو ذوالحجہ کے روزے کی فضیلت

((عن أبی قتادۃ رضی اللہ عنہ قال : سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم یوم

(۱) [احمد (۷۵۱/۲) مسند عبد بن حمید (۸۰۷)]

(۲) [بخاری (قبل الحدیث ۹۶۹۱) کتاب العیدین : باب فضل العمل فی آیام التشریق]

(۳) [مسلم (۳۶۵۵) کتاب الأضاحی : باب نہی من دخل علیہ عشر ذی الحجۃ وهو مرید التصحیۃ أن یأخذ من شعرہ وأظفارہ شیئا، نسائی (۲۱۱/۷) ابن ماجہ

(۳۱۴۹)۔ ہفتی (۲۶۶/۹) احمد (۲۸۹/۶)]

عرفة؟ فقال: "يكفر السنة الماضية والباقية" ((

”حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عرفہ (نوز و الحجہ) کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا گذشتہ اور آئندہ سال کے گناہ مٹا دیتا ہے۔“ (۱)

واضح رہے کہ نبی ﷺ کا یہ فرمان ان لوگوں کے لیے ہے جو حج کے لیے روانہ نہیں ہوئے (یعنی مقام عرفات میں نہیں ہیں) بلکہ اپنے اپنے علاقوں میں ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

(1) ((عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: أن النبي ﷺ أفطر بعرفة وأرسلت إليه أم الفضل بلبن فشرب))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ میں روزہ افطار کر لیا۔ حضرت أم فضل رضی اللہ عنہا نے آپ کی طرف دودھ بھیجا تو آپ نے پی لیا۔“ (۲)

(2) ((سئل ابن عمر رضی اللہ عنہ عن صوم (يوم) عرفة (بعرفة) قال: حججت مع النبي ﷺ فلم يصمه، ومع أبي بكر رضی اللہ عنہ فلم يصمه ومع عمر رضی اللہ عنہ فلم يصمه، ومع عثمان رضی اللہ عنہ فلم يصمه، وأنا لا أصومه، ولا أمر به، ولا أنهى عنه))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مقام عرفہ میں عرفہ کے دن روزہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا آپ نے اس دن کا روزہ نہ رکھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

(۱) [صحيح مسلم (۱۱۶۲) كتاب الصيام: باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل

شهر و صوم يوم عرفة]

(۲) [ترمذی (۷۵۰) كتاب الصوم: باب ما جاء في كراهية صوم يوم عرفة بعرفة]

کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا اور میں بھی (حج کرتے ہوئے) یہ روزہ نہیں رکھتا۔ اور اس کے رکھنے کا حکم بھی نہیں دیتا اور اس سے روکتا بھی نہیں۔“ (۱)

علاوہ ازیں جس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

((نہی رسول اللہ ﷺ عن صوم یوم عرفة بعرفات))

”رسول اللہ ﷺ نے مقام عرفات میں یوم عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔“

وہ ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔ (۲)

عبدالرحمن مبارکپوریؒ کا فتویٰ:

((ما ذهب إليه الجمهور من أنه يستحب الفطر يوم عرفة بعرفة هو

الظاهر، ويدل عليه حديث أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ

عن صوم عرفة بعرفة))

”جمہور جس طرف گئے ہیں کہ مقام عرفات میں عرفہ کے دن روزہ چھوڑنا مستحب

ہے یہی بات ظاہر ہے اور اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے (وہ یہ

ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام عرفات میں عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔“ (۳)



(۱) [ترمذی (۷۵۱) کتاب الصوم: باب ما جاء في كراهية صوم يوم عرفة بعرفة]

(۲) [ضعيف ابن ماجة (۳۷۸) كتاب الصيام: باب صيام يوم عرفة، ضعيف ابو داود (۴۲۱)

سلسلة الأحاديث الضعيفة (۴۰۴)] [شيخ الباني] نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے لیکن امام حاکم نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ [مستدرک حاکم (۴۳۴/۱)] اور حافظ ابن حجر نے نقل فرمایا ہے کہ امام ابن خذیمہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [تلخیص الحیبر (۴۰۷/۲)]

(۳) [تحفة الأحوذی (۵۲۰/۳)]

مسائل عیدین

مسائل عیدین

عیدین کا معنی و مفہوم

”عیدین“ لفظ ”عید“ کا تثنیہ ہے جو دراصل باب عَادَ يَعُوذُ (نصر) سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ”لوٹنا یا بار بار لوٹ کر آنے والا دن“ مستعمل ہے۔ عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہے۔ ان دونوں کا نام اس لیے عید رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دن بار بار خوشی لے کر لوٹتے ہیں۔ اس کی جمع ”اعیاد“ آتی ہے۔ (۱)

کتب سیر کے مطابق یہ عید دوسری ہجری میں مشروع ہوئی۔ لیکن بعض حضرات نے یہ موقف ظاہر کیا ہے کہ عید ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی۔ (۲)

عید کے دن غسل کرنا

حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((أن النبي ﷺ كان يغتسل يوم الجمعة ويوم الفطر ويوم النحر))
 ”نبی ﷺ جمعہ کے دن، عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔“ (۳)
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ (۴)

(۱) [القاموس المحيط (ص ۲۷۴/۲) المنجد (ص ۵۹۰/۱) نیل الأوطار (۵۷۹/۲) تحفة الأحوذی (۹۱/۳)]

(۲) [سبل السلام (۶۸۴/۲) الفقه الإسلامی وأدلته (۱۳۸۶/۲)]

(۳) [ابن ماجہ (۱۳۱۶) کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها: باب ما جاء في الاغتسال..... شيخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [إرواء الغلیل (۱۴۶)] حافظ بوسیری نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (۴۳۱/۱)]

(۴) [إرواء الغلیل (۱۴۶) تلخیص الحیبر (۸۰/۲) الدرایة (۵/۱) ابن ماجہ (۱۳۱۵)]

امام بزارؒ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بزارؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ”مجھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کے متعلق کوئی صحیح حدیث یاد نہیں۔ (۲)

گوکہ اس معنی میں جتنی روایات مروی ہیں ان میں کچھ نہ کچھ ضعف بہر حال موجود ہے لیکن دیگر مختلف آثار صحابہ سے ان کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((أنه كان يغتسل يوم الفطر قبل أن يغدو إلى المصلى))

”آپ رضی اللہ عنہ، عید الفطر کے دن عید گاہ کی جانب جانے سے پہلے غسل کر لیا کرتے تھے۔“ (۳)

امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ”جو بے حد شدت سے سنت کی پیروی کرتے تھے“ (کے عمل سے) ثابت ہے کہ وہ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے غسل کر لیا کرتے تھے۔ (۴)

گذشتہ تفصیل اس بات کی متقاضی ہے کہ غسل عیدین میں نبی ﷺ سے تو کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر صحیح ہے لہذا فقدان احادیث کے وقت آثار صحابہ پر عمل کر لینا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ (واللہ اعلم)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وجملته أنه يستحب أن يتطهر بالغسل للعید و كان ابن عمر يغتسل

(۱) [كشف الأستار (۶۴۸)] سے شیخ محمد صبحی حسن حلاقؒ نے توجیح کہا ہے۔ [التعلیق علی السیل

الحرار (۲۹۸/۱)] مگر امام بیہقیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ [المجموع (۱۹۸/۲)]

(۲) [تلخیص الحبیر (۸۱/۲)]

(۳) [موطا (۱۷۷/۱)] کتاب العیدین: باب العمل فی غسل العیدین، الأم للشافعی

(۴) [۲۶۵/۱] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [المجموع (۶/۵)]

(۴) [زاد المعاد (۴۴۲/۱)]

يوم الفطر وروى ذلك عن على بن ابي طالبؓ، وبه قال علقمة وعروة وعطاء والنخعي والشعبي وقادة وأبو الزناد ومالك والشافعي وابن المنذر لما روى ابن عباس والفاكه بن سعد أن رسول الله كان يغتسل يوم الفطر والأضحى))

”عید کے لیے غسل کے ذریعے طہارت حاصل کرنا مستحب ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن غسل کیا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا گیا ہے اور امام علقمہ، امام عروہ، امام عطاء، امام نخعی، امام شعبی، امام قتادہ، امام ابوالزناد، امام مالک، امام شافعی اور امام ابن منذر رحمہم اللہ اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔“ (۱)

عید کے دن عمدہ لباس پہننا

عید کے دن عمدہ اور بہترین لباس پہننا مستحب ہے۔

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أن النبي ﷺ كان يلبس البرد الأحمر في العيدين وفي الجمعة))

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں اور جمعہ کے دن سرخ چادریں پہننا کرتے تھے۔“ (۲)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أن النبي ﷺ كان يلبس برد حبرة في كل عيد))

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر عید میں دھاری دار چادریں پہننا کرتے تھے۔“ (۳)

(۱) [المغنی (۲۵۶/۱۳)]

(۲) [ابن خزيمة (۱۳۲/۳)]، (۱۷۶۶) شیخ البانی بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند میں حجاج بن

وأرطاة راوی ضعیف ہے۔ التعليقات الرضية على الروضة الندية (۳۸۵/۱)

(۳) [طبرانی أوسط (۷۶۰۹)] امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔ [مجمع الزوائد

[(۱۹۸/۲)]

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی لباس بازار میں بکتا ہوا پایا تو اسے پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور عرض کیا:

((يا رسول الله! ابتع هذه فتحمل بها للعید والوفد))

”اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید لیجئے اور اس کے ذریعے عید اور وفد کے

لیے خوبصورتی اختیار کیجئے۔“

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنما هذه لباس من خلاق له))

”بے شک یہ ایسے شخص کا لباس ہے جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔“ (۱)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

عیدین میں میسر لباس میں سے سب سے اچھا لباس پہننا اور اسی طرح سب سے عمدہ

خوشبو لگانا مسنون و ماثور ہے۔ (۲)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

((ويستحب أن يتنظف ويلبس أحسن ما يجد ويتطيب ويتسوك))

” (عید کے روز) صاف ستھرا بننا، میسر لباس میں سے عمدہ و بہترین لباس پہننا، خوشبو

لگانا اور مسواک کرنا مستحب ہے۔“ (۳)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

عیدین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سب سے بہترین لباس پہنتے تھے۔ (۴)

(۱) [بخاری (۹۴۸، ۸۸۶) کتاب الجمعة: باب في العیدین والتحمل فيه، مسلم

(۲۰۶۸) أبو داود (۱۰۷۶) نسائی (۹۶/۳)]

(۲) [السيل الجرار (۳۲۰/۱)]

(۳) [المغنی (۲۵۷/۱۳)]

(۴) [زاد المعاد (۱۲۱/۱)]

نماز عید الفطر سے پہلے فطرانہ کی ادائیگی

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

((فرض رسول اللہ زكاة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعير على العبد والحر والذکر والأنتی والصغير والكبير من المسلمین وأمر بها أن تؤدی قبل خروج الناس إلى الصلاة))

”رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے غلام، آزاد مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سب پر صدقہ فطر فرض کیا ہے۔ ایک صاع کھجوروں سے یا ایک صاع جو سے۔ اور اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ یہ فطرانہ نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔“ (۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں

((فمن أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من صدقات))

”جس نے اسے نماز (عید) سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قابل قبول زکوٰۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد اسے ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے (یعنی صدقہ فطر نہیں ہوگا)۔“ (۲)

معلوم ہوا کہ یہ صدقہ نماز عید کے لیے روانگی سے پہلے ادا کر دینا ضروری ہے اور اگر عید سے ایک دو دن پہلے ادا کر دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (۳)

نماز عید سے پہلے کھانا

نماز عید الفطر کے لیے عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھا لینا اور نماز عید الاضحیٰ کے

(۱) [بخاری (۱۵۰۳) کتاب الزکاة : باب فرض صدقة الفطر، مسلم (۹۸۴)]

(۲) [أبو داود (۱۶۰۹) کتاب الزکاة : باب زكاة الفطر، ابن ماجة (۱۸۲۷) دارقطنی

(۱۳۸۱۲) شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [إرواء الغلیل (۸۴۳) (۳۳۲/۳)]

(۳) [المغنی (۳۰۰/۴) فتاویٰ ابن باز مترجم (۱۲۷/۱)]

لیے جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے اور نماز عید الفطر سے پہلے کھجوریں کھانا اور طاق عد میں کھانا بھی مستحب ہے جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((كان النبي ﷺ لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ولا يطعم يوم الأضحى

حتى يشاء))

”نبی ﷺ عید الفطر کے دن اس وقت تک نہ نکلتے جب تک کہ کچھ کھانا لیتے اور عید الاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک کہ نماز نہ پڑھ لیتے۔“ (۱)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((كان رسول الله ﷺ لا يغدوا يوم الفطر حتى ياكل تمرات

..... وياكلهن وترا))

”رسول اللہ ﷺ نماز عید الفطر کے لیے نکلنے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے اور طاق عد میں کھجوریں کھایا کرتے تھے۔“ (۲)

نماز عیدین کا حکم

نماز عیدین ہر مکلف شخص پر واجب ہے جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

((أمرنا أن نخرج العواتق والحیض فی العیدین یشهدن الخیر ودعوة

المسلمین و تعتزل الحیض المصلی))

(۱) [ترمذی (۵۴۲) کتاب الصلاة: باب ما جاء فی الأکل يوم الفطر قبل الخروج،

ابن ماجہ (۱۷۵۶) دارمی (۳۷۵/۱) ابن خزيمة (۱۴۲۶)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا

ہے۔ [صحیح ترمذی (۴۴۷)]

(۲) [بخاری (۹۵۳) کتاب العیدین: باب الأکل يوم الفطر قبل الخروج، ابن ماجہ

(۱۷۵۴) أحمد (۱۲۶/۳) ابن خزيمة (۱۴۲۹)]

”ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم جوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر نکلیں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کے امور خیر اور دعاؤں میں شریک ہوں البتہ حائضہ عورتیں عید گاہ سے الگ رہیں (یعنی نماز ادا نہ کریں)۔ (۱)

(۲) صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہے ”ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (ان خواتین کو) نکالیں.....“۔ (۲)

(۳) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جب ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس وجہ سے وہ (نماز عید کے لیے) نہ جاسکے تو کیا اس پر کوئی حرج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لتلبسها صاحبها من جلبابها فليشهدن الخير ودعوة المسلمين))

”اس کی سہیلی اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اوڑھادے اور پھر وہ خیر اور مسلمانوں

کی دعا میں شریک ہوں۔“ (۳)

(۴) کچھ لوگوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گذشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت دی تو

((فأمرهم أن يفطروا وإذا أصبحوا أن يغدو إلى مصلاهم))

”آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ روزہ کھول دیں اور جب صبح ہو تو وہ عید گاہ

کی طرف جائیں۔“ (۴)

(۱) [بخاری (۹۸۱) كتاب الجمعة : باب اعتزال الحيض المصلى ، مسلم (۸۹۰) أبو داود

(۱۱۳۶) ترمذی (۵۳۷) نسائی (۱۸۰/۳)]

(۲) [بخاری (۹۷۴)]

(۳) [بخاری (۹۸۰) كتاب العیدین : باب إذا لم يكن لها جلباب في العيد]

(۴) [أبو داود (۱۱۵۷) كتاب الصلاة : باب إذا لم يخرج الإمام للعید من يومه يخرج من الغد ، شيخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح أبو داود (۱۰۲۶)]

جب حائضہ اور بغیر چادر والی معذور خواتین کو عید گاہ میں حاضر ہونے کا حکم ہے تو مردوں کو بالاولیٰ حکم ہے۔

بعض حضرات نے اس آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ سے نماز عید مراد لی ہے لیکن یہ بات راجح نہیں کیونکہ یہ سورت کمی ہے اور نماز عید مدینہ میں مشروع ہوئی۔ (۲)

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

وجوب کے دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

((وهذا كله يدل على أن هذه الصلاة واجبة وجوبا مؤكدا على الأعيان

لا على الكفاية))

”یہ سب دلائل ثبوت ہیں کہ بے شک یہ نماز (یعنی نماز عید) تاکید کی طور پر فرض عین ہے فرض کفایہ نہیں۔“ (۲)

شیخ البانیؒ کا فتویٰ:

((فالأمر المذكور يدل على الوجوب وإذا وجب الخروج وجبت

الصلاة من باب أولى كما لا يخفى فالحق وجوبها لا سنيتها فحسب ومن الأدلة على ذلك أنها مسقطه للجمعة إذا اتفقتا في يوم واحد كما سبق في كتاب المؤلف قريبا وما ليس بواجب لا يسقط واجبا))

”(حدیث میں) مذکور حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے اور جب نکلنا واجب ہے تو نماز

بالأولیٰ واجب ہے جیسا کہ یہ مخفی نہیں ہے لہذا اس کا سنت ہونا نہیں بلکہ وجوب ہی برحق ہے۔ اور اس کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نماز جمعہ کو ساقط کر دیتی ہے جبکہ یہ دونوں ایک ہی دن اکٹھے ہو جائیں جیسا کہ مؤلف کی کتاب میں قریب ہی یہ گزرا ہے اور جو چیز

(۱) [فتح البیان (۵/۶۳۷) أحكام القرآن لابن العربي (۴/۱۹۸۶)]

(۲) [السیل الحرار (۱/۳۱۵)]

(خود) واجب نہ ہو وہ کسی (دوسرے) واجب کو ساقط نہیں کر سکتی۔“ (۱)
امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((و صلاة العيد فرض على الكفاية))

”اور نماز عید فرض کفایہ ہے۔“ (۲)

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ:

”یہ عید سب لوگوں پر واجب ہے۔“ (۳)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((صلاة العیدین: الفطر والأضحی، کل منهما فرض کفاية، وقال بعض

اهل العلم، أنهما فرض عين كالجمعة، فلا ينبغي للمومن تركها))

”نماز عیدین یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ (کی نماز) ان میں سے ہر ایک فرض کفایہ

ہے اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ دونوں جمعہ کی طرح فرض عین ہیں اور کسی مومن کے

لیے انہیں چھوڑنا جائز نہیں۔“ (۴)

نماز عیدین کا وقت

ان نمازوں کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر آفتاب ڈھلنے تک ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أنه خرج مع الناس يوم عيد فطر أو أضحى فأنكر إبطاء الإمام وقال إنا

كنا قد فرغنا ساعتنا هذه وذلك من التسبيح))

(۱) [تمام المنة (ص/۳۴۴)]

(۲) [المغنی (۳/۲۵۳)]

(۳) [مجموع الفتاوی (۲۳/۱۶۱)]

(۴) [فتاوی اللحنۃ الدائمۃ (۸/۲۸۴)]

”وہ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نکلے تو انہیں امام کے تاخیر کر دینے پر نہایت تعجب ہوا اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو اس وقت (نماز پڑھ کے) فارغ ہو چکے ہوتے تھے اور وہ نماز چاشت کا وقت تھا۔“ (۱)

(۲) حضرت جناب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((كان النبي ﷺ يصلي بنا يوم الفطر والشمس على قيد رمحين

والأضحى على قيد رمح))

”نبی ﷺ عید الفطر اس وقت پڑھتے تھے جب سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جاتا

اور عید الاضحیٰ اس وقت پڑھتے جب سورج ایک نیزے کے برابر ہوتا۔“ (۲)

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ

نماز عیدین کے وقت کی تعیین میں سب سے اچھی وارد شدہ حدیث حدیث جناب

رضی اللہ عنہ ہے۔ (۳)

امام شافعی نے مرسل روایت کیا ہے کہ

”نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی طرف جو کہ نجران میں تھے خط لکھا کہ

عید الاضحیٰ جلدی پڑھا کرو اور عید الفطر کچھ تاخیر سے پڑھا کرو۔“ (۴)

(۱) [أبو داود (۱۱۳۵) کتاب الصلاة: باب وقت الخروج إلى العيد؛ إرواء الغلیل (۱۰۱/۳)

ابن ماجہ (۱۳۱۷) بخاری تعلیقا (۹۶۸) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔] صحیح أبو داود

(۱۰۴۰) تمام المنة (ص ۳۴۸) التعليقات الرضية على الروضة الندية (۳۸۷/۱)

(۲) [تلخیص الحبیر (۱۶۷/۲) اس کی سند میں معلیٰ بن ہلال راوی کذاب ہے اس لیے یہ حدیث

ضعیف ہے جیسا کہ شیخ البانی نے یہ وضاحت کی ہے۔] التعليقات الرضية على الروضة

الندية (۳۸۶/۱) تمام المنة (ص ۳۴۷)

(۳) [نیل الأوطار (۵۹۲/۲)]

(۴) [بدائع المنن (۲۷۲/۱-۱۷۳)؛ (۴۹۰) اس کی سند میں ابراہیم بن محمد شیخ الشافعی ضعیف

ہے۔] [الروضة الندية (۳۶۵/۱)]

اگرچہ ان احادیث میں ضعف ہے لیکن ان سے ماخوذ مسائل پر اتفاق ہے۔ (۱)
 نماز عیدین کا آخری وقت زوال آفتاب ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے زوال آفتاب کے
 بعد چاند نظر آنے کی اطلاع ملنے پر کہا کہ ”کل صبح لوگ نماز عید کے لیے عید گاہ پہنچیں۔“ (۲)
 اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (۳)

امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ

((وكان يؤخر صلاة عيد الفطر ويعجل الأضحى))

”آپ ﷺ نماز عید الفطر (کچھ) تاخیر سے ادا کرتے تھے اور نماز عید الاضحیٰ جلدی

ادا کرتے تھے۔“ (۴)

اگر زوال آفتاب کے بعد عید کا علم ہو

تو نماز عید کے لیے اگلے روز عید گاہ جانا چاہیے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کی
 دلیل ہے:

((عن أبي عمير بن أنس، عن عمومة له من الصحابة، أن ركبا جاءوا؛

فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي ﷺ أن يفطروا، وإذا أصبحوا

أن يغدوا إلى مصلاهم))

”حضرت ابو عمیر بن انس رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک چچا صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

چند سووار آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے شہادت دی کہ انہوں نے کل شام

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری (۳۵۷/۲) زاد المعاد (۴۴۲/۱) موسوعة

الإجماع فی الفقه الإسلامی (۶۵۴/۲)]

(۲) [أبو داود (۱۱۵۷) صحيح أبو داود (۱۰۲۶)]

(۳) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البحر الزخار (۵۵۳۲) نیل الأوطار (۵۹۲/۲) الروضة

النديّة (۳۶۵/۱)]

(۴) [زاد المعاد (۱۲۱/۱)]

چاند دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دے دیا کہ ”روزہ افطار کر دو اور کل صبح نماز عید کے لیے عید گاہ میں آ جاؤ۔“ (۱)

نماز عید کے لیے کھلے میدان کا انتخاب

(۱) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((كان النبي ﷺ يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى))

”نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف باہر نکلتے تھے۔“ (۲)

(۲) ایک قافلے نے گذشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت دی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ

((وإذا أصبحوا أن يغدوا إلى مصلاهم))

”جب صبح ہو تو وہ عید گاہ کی طرف نکل آئیں۔“ (۳)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے نماز عید کے لیے مسجد نہیں بلکہ عید گاہ کو ہی ہمیشہ

! اختیار فرمایا۔ (۴)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((السنة أن يصلى العيد في المصلى))

”عید گاہ میں نماز عید ادا کرنا سنت ہے۔“ (۵)

(۱) زبیر داؤد (۱۱۵۷) کتاب الصلاة: باب إذا لم يخرج الإمام للعيد من بيته يشرح من

الغد، شيخنا في الحديث صحيح كذا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۱۰۲۶)]

(۲) [بخاری (۹۵۶) کتاب الجمعة: باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، مسلم

(۸۸۹)]

(۳) [ابو داؤد (۱۱۵۷) کتاب الصلاة: باب إذا لم يخرج الإمام للعيد.....، أحمد

(۵۸۱/۵) نسائی (۱۸۰/۳)]

(۴) [مفصل کے لیے دیکھیے: الروضة الندية (۳۶۳/۱) سبیل السلام (۶۷۹/۲)]

(۵) [المغنی (۲۶۰/۳)]

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((المشروع أن تؤدى صلاة العیدین فی الفضاء))

”مشروع یہ ہے کہ نماز عیدین فضاء میں ادا کی جائے۔“ (۱)

کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز عید کی ادائیگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((أنهم أصابهم مطر فی یوم عید فصلی بهم النبی ﷺ صلاة العید فی

المسجد))

”ایک عید کے موقع پر لوگوں کو بارش نے آ لیا تو نبی ﷺ نے انہیں نماز عید مسجد میں

پڑھادی۔“ (۲)

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی ایسی روایت موجود

ہے کہ بارش ہو جائے تو مسجد میں نماز عید پڑھی جاسکتی ہے۔ (۳)

اور اس قاعدے کی وجہ سے بھی جواز کا اشارہ ملتا ہے:

((الضرورات تبيح المحظورات))

”ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح بنا دیتی ہیں۔“ (۴)

علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ نماز عید وسیع و کشادہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا

آبادی سے باہر نکل کر پڑھنا افضل ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ

(۱) [فتاویٰ اللجنة الدائمة (۲۹۱/۸)]

(۲) [أبو داود (۱۱۶۰) کتاب الصلاة: باب یصلی بالناس العید فی المسجد..... ابن ماجہ

(۱۳۱۳) شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ [ضعیف أبو داود (۲۴۸)]

(۳) [بیہقی (۳۱۰/۳)]

(۴) [القوانين الفقهية الكبرى للدكتور صالح بن غانم (ص ۲۴۷)]

اگر علاقے کی مسجد ہی وسیع و کشادہ ہو تو مسجد میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ اصل مقصود مرد اور خواتین کا اجتماع ہے اور وہ مسجد میں ہی ہو سکتا ہے تو باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

آبادی سے باہر نکلنا ہی افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اسی پر مداومت اختیار فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آبادی سے باہر نماز عید کے متعلق کہا کہ

((لولا أنه سنة لصليت في المسجد))

”اگر یہ عمل (یعنی آبادی سے باہر نکل کر نماز عید ادا کرنا) سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں

نماز پڑھ لیتا۔“ (۱)

امام مالکؒ کا موقف زیادہ مناسب ہے۔ (۲)

عورتوں کا عید گاہ چانا

عورتیں خواہ جوان ہوں یا بوڑھی، کنواری ہوں یا بیوہ، حائضہ ہوں یا طاهرہ انہیں عید گاہ کی طرف جانا چاہیے اور کم از کم مسلمانوں کی دعا میں ضرور شرکت کرنی چاہیے ہاں البتہ وہ خواتین جو عدت میں ہیں یا ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے یا ان کے پاس کوئی عذر ہے تو وہ گھر میں بھی نماز عید ادا کر سکتی ہیں۔ خواتین کو بھی عید گاہ کی طرف نکلنا چاہیے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

حضرت أم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

((أمرنا أن نخرج العواتق والحیض فی العیدین یشہدن الخیر ودعوة

المسلمین و تعترل الحیض المصلی))

(۱) [ابن ابی شیبہ (۱۸۵/۲) نیل الأوطار (۵۹۱/۲) سبل السلام (۶۸۶/۲) فتح الباری

[۱۲۶/۳]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: السیل الجرار (۱/۳۲۰)]

”ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم جوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر نکلیں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کے امور خیر اور دعاؤں میں شریک ہوں البتہ حائضہ عورتیں عید گاہ سے الگ رہیں (یعنی نماز ادا نہ کریں)۔ (۱)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((ولا باس بخروج النساء يوم العيد إلى المصلى))

”عید کے دن عورتوں کے عید گاہ کی طرف نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۲)

سید سابقؒ کا فتویٰ:

((يشرع خروج الصبيان والنساء في العيد للمصلى من غير فرق بين

البكر والشيب والشابة والعجوز والحائض))

”عیدین میں عید گاہ کے لیے بچوں اور عورتوں کا نکلنا مشروع ہے بغیر اس فرق کے کہ

عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو یا بوڑھی ہو یا جوان ہو یا حائضہ ہو۔“ (۳)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((من السنة خروج النساء إلى المصلى في يوم العيد))

”عیدین کے دونوں میں خواتین کا عید گاہ کی طرف نکلنا مسنون ہے۔“ (۴)

شیخ ابن جبرین کا فتویٰ:

”عیدین کی نماز کے لیے عورتوں کا گھر سے باہر جانا مشروع ہے، عورتوں کو اس کی

خاص طور پر تاکید کی جائے۔ اُم عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ”ہمیں نماز عید کے لیے جانے

(۱) [بخاری (۹۸۱) کتاب الجمعة: باب اعتزال الحيض المصلى، مسلم (۸۹۰) أبو داود

(۱۱۳۶) ترمذی (۵۳۷) نسائی (۱۸۰/۳)]

(۲) [المغنی (۲۶۳/۳)]

(۳) [فقه السنة (۲۴۱/۱)]

(۴) [فتاویٰ اللجنة الدائمة (۲۸۶/۸)]

کا حکم دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ کنواری، بچی اور حائضہ عورت کو بھی ساتھ لے جانے کا حکم تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر تکبیرات پڑھیں اور ان کی دعاؤں میں شرکت کریں اور اس دن کے فیوض و برکات کی امید رکھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کنواری دوشیزاؤں، باپردہ اور حائضہ عورتوں کو نماز عیدین کے مواقع پر گھروں سے باہر نکالتے۔ جہاں تک حائضہ عورتوں کا تعلق ہے تو وہ عید گاہ سے الگ رہ کر خیر و برکت اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شرکت کریں۔ اس پر اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کی بہن اسے اپنی چادر پہنا دے۔“ (۱)

عورتیں باپردہ ہو کر نکلیں

کیونکہ شریعت نے عورت کو گھر سے باہر نکلتے وقت حجاب کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ

مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ [الأحزاب : ۵۹]

”اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔“

اور حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جب ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس وجہ سے وہ (نماز عید کے لیے) نہ جاسکے تو کیا اس پر کوئی حرج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لتلبسها صاحبها من جلبابها فليشهدن الخیر و دعوة المسلمین))

”اس کی سہیلی اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اوڑھادے اور پھر وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا

(۱) [فتاویٰ برائے خواتین (ص ۱۲۳/۱)]

میں شریک ہوں۔“ (۱)
سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((أن خروج النساء لصلاة العیدین سنة مؤکدة لكن بشرط أن يخرجن متسترات لا متبرجات))

”بلاشبہ عورتوں کا نماز عیدین کے لیے نکلنا سنت مؤکدہ ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ باپردہ ہو کر نکلیں، زیب و زینت ظاہر کر کے نہ نکلیں۔“ (۲)

عورتیں خوشبو لگا کر نہ نکلیں

(1) ((عن أبي موسى عن النبي ﷺ قال: كل عين زانية والمرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني زانية.))

”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے اور عورت جب خوشبو لگائے پھر کسی مجلس کے قریب سے گزرے تو وہ اس طرح اور اس طرح ہے یعنی بدکار ہے۔“ (۳)

(2) ((عن زينب امرأة عبد الله قالت: قال لنا رسول الله ﷺ: "إذا شهدت إحداكن المسجد فلا تمس طيبا"))

”حضرت زینب رضی اللہ عنہا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو مت لگائے۔“ (۴)

(۱) [بخاری (۹۸۰) کتاب العیدین: باب إذا لم یکن لها جلباب فی العید]

(۲) [فتاویٰ اللجنة الدائمة (۲۸۷/۸)]

(۳) [ترمذی (۲۷۸۶) کتاب الأدب: باب ما جاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۴) [مسلم (۹۹۷) کتاب الصلاة: باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم یترتب علیہ فتنة وأنها لا تخرج مطيبة]

امام ابن قدامہ کا فتویٰ:

((وانما يستحب لهن الخروج غير متطيبات ولا يلبسن ثوب

شهرة ولا زينة))

”اور بے شک عورتوں کے لیے خوشبو لگائے بغیر نکلنا مستحب ہے اور وہ شہرت یا

زینت کا لباس بھی مت نہیں۔“ (۱)

شیخ ابن جبرین کا فتویٰ:

واضح رہے کہ نماز عید کے لیے جاتے وقت عورتوں کو خوشبو اور قند انگیز زیب و زینت

سے اجتناب کرتے ہوئے انتہائی سادگی کے ساتھ مردوں سے الگ الگ رہنا چاہیے۔ (۲)

بچوں کو عید گاہ لے کر جانا

جائز اور درست ہے جیسا کہ امام بخاری نے باب قائم کیا ہے کہ

((باب خروج الصبيان إلى المصلى))

”باب بچوں کو عید گاہ لے کر جانا“

اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

((عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : خرجت مع النبي ﷺ يوم فطر أو أضحي

فصلى العيد ثم خطب ثم أتى النساء فوعظهن وذكرهن وأمرهن بالصدقة))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ

کے دن نبی ﷺ کے ساتھ نکلا۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر عورتوں کی طرف آئے اور

انہیں وعظ و نصیحت کیا اور صدقہ کا حکم دیا۔“ (۳)

(۱) [المعنى (۲۶۵/۳)]

(۲) [فتاویٰ برائے خواتین (ص ۱۲۳)]

(۳) [بخاری (۹۷۵) کتاب العیدین: باب خروج الصبيان إلى المصلى]

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((لا يمنع الأولاد من الحضور إلى مصلى العيد إذا كانوا سبع سنين فأكثر لقوله ” مرو أبنائكم بالصلاة لسبع واضربوهم عليها لعشر وفرقوا بينهم في المضاجع))

” بچوں کو عید گاہ میں حاضر ہونے سے نہ روکا جائے جبکہ وہ سات سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہوں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ” اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور انہیں دس سال کی عمر میں مارو اور ان کے بستر علیحدہ کر دو۔“ (۱)

عید گاہ کی طرف پیدل جانا

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((من السنة أن يخرج إلى العيد ماشياً))

” عید گاہ کی جانب پیدل چل کے جانا سنت ہے۔“ (۲)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں عام لفظ ہیں:

((إذا نودي بالصلاة فاتوها وأنتم تمشون))

” جب تمہیں نماز کے لیے آذان دی جائے تو تم اس کی طرف چلتے ہوئے آؤ۔“ (۳)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ

(۱) [فتاویٰ اللجنة الدائمة (۲۸۹/۸)]

(۲) [ترمذی (۵۳۰) کتاب الجمعة: باب ما جاء في المشي يوم العيد، ابن ماجه (۱۲۹۶) شیخ

البانی نے اسے حسن کہا ہے۔] [صحیح ترمذی (۴۳۷)] اس کی سند میں حارث العمور راوی ہے جسے

امام نووی نے بالاتفاق کذاب کہا ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔ خلاصة الأحكام (۸۲۲/۲) نیل

الأوطار (۵۸۲/۲)]

(۳) [مسلم (۹۴۶) کتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب استحباب اتیان الصلاة

بوقار و سكينه]

((والعمل على هذا الحديث عند أكثر أهل العلم يستحبون أن يخرج الرجل

إلى العيد ماشيا وألا يركب إلا من عذر))

”اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ وہ عید کے لیے مردوں کا پیدل جانا پسند کرتے ہیں اور یہ

کہ کوئی بھی بغیر عذر کے سوار نہ ہو۔“ (۱)

امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے

((المشي والركوب إلى العيد.....))

”عید کے لیے پیدل چلنا اور سوار ہو کر جانا.....“ (۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

شاید امام بخاریؒ نے اس باب کو قائم کر کے نماز عید کے لیے چل کر جانے کے

استحباب میں وارد احادیث کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے (یعنی امام بخاریؒ عید کے لیے

چل کر جانا اور سوار ہو کر جانا دونوں طرح جائز سمجھتے ہیں)۔ (۳)

علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ

راج قول وہی ہے جسے اکثر اہل علم نے اختیار کیا ہے (یعنی چل کر جانا مستحب ہے)۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

عیدین میں مسنون افعال میں سے پیدل چل کر جانا بھی ہے۔ (۴)

عید گاہ جاتے ہوئے تکبیریں کہنا

عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیریں کہنی چاہئیں جیسا کہ مندرجہ ذیل

(۱) [ترمذی (۵۳۰)]

(۲) [بخاری (۹۵۷)]

(۳) [فتح الباری (۱۲۷/۳ - ۱۲۸)]

(۴) [السیل الحرار (۳۲۰/۱)]

دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے:

(1) ایک روایت میں ہے کہ

((أن رسول الله ﷺ كان يخرج يوم الفطر فيكبر حتى ياتي المصلى

وحتى يقضى الصلاة فاذا قضى الصلاة قطع التكبير))

”بے شک رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن تکبیریں کہتے ہوئے عید گاہ کی طرف

جاتے۔ نماز ادا کر لینے تک یہ سلسلہ جاری رکھتے اور جب نماز ادا کر لیتے تو تکبیریں کہنا

چھوڑ دیتے۔“ (۱)

(2) ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنه كان يغدو يوم العيد ويكبر ويرفع

صوته حتى يبلغ الإمام))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عید کے دن تکبیریں کہتے ہوئے روانہ

ہوتے اور اپنی آواز بلند رکھتے حتیٰ کہ امام پہنچ جاتا (تو تکبیریں کہنا چھوڑ دیتے)۔“ (۲)

امام ابن قدامہ کا فتویٰ:

((ويكبر في طريق العيد ويرفع صوته بالتكبير))

”اور عید کے راستے میں تکبیر کہے اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے۔“ (۳)

تکبیرات کی ابتدا اور انتہا

عید الفطر میں شوال کا چاند دیکھنے کے بعد سے نماز عید الفطر کی ادائیگی تک تکبیریں کہنی

چاہئیں اور عید الاضحیٰ میں 9 ذوالحجہ سے لے کر 13 ذوالحجہ کی شام تک تکبیریں کہنی چاہئیں۔

جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) [سلسلة الأحاديث الصحيحة للألبانی (۱۷۱)‘ (۱۱۹/۲)]

(۲) [سلسلة الأحاديث الصحيحة للألبانی (۱۷۱)‘ (۱۲۱/۲)]

(۳) [المغنی (۲۶۲/۳)]

(1) ((عن ابن عباس قال : حق على الصائمين إذا نظروا إلى شهر شوال أن يكبروا لله حتى يفرغوا من عيدهم لأن الله يقول ” وَلِتُكْمَلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ “)) [البقرة: ۱۸۵]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”ماہ شوال (کا چاند) دیکھنے کے بعد روزے داروں پر لازم ہے کہ وہ تکبیریں کہیں اور عید سے فارغ ہونے تک تکبیریں کہتے رہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”تا کہ تم (ماہ رمضان کے روزوں کی) گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت پر تکبیر کہو۔“ (۱)

(2) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ﴾ [البقرة: ۲۰۳]

”اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

”ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں۔“ (۲)

امام شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ

”ان دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں۔“ (۳)

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ:

”عید الفطر میں چاند دیکھ کر تکبیریں شروع کرنی چاہئیں اور نماز عید سے فارغ ہونے

پر چھوڑنی چاہئیں۔“ (۴)

(۱) [تفسیر فتح القدیر (۲۴۲/۱)]

(۲) [بخاری (۹۶۹)]

(۳) [السیل الحرار (۳۲۰/۱)]

(۴) [مجموع الفتاویٰ (۲۲۱/۲۴)]

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((لا نعلم دعاء خاصا يشرع للمسلمين في صلاة العيد، أو يومه ولكن يشرع للمسلمين والتسبيح والتهليل والتحميد في ليلتي العیدین و صباح يومهما إلى انتهاء الخطبة من يوم عيد الفطر، وإلى انتهاء أيام تشریق فی يوم عيد النحر))

”ہمیں کسی خاص دعا کا علم نہیں جو نماز عید میں یا عید کے دن میں مسلمانوں کے لیے مشروع ہو لیکن مسلمانوں کے لیے تسبیح، تہلیل اور تحمید بیان کرنا عیدین کی دوراتوں میں مشروع ہے اور ان دونوں عیدوں میں سے ایک یعنی عید الفطر کے دن صبح کو خطبہ کے اختتام تک اور عید الاضحیٰ میں ایام تشریق کے اختتام تک (تکبیریں کہنی چاہیں)۔“ (۱)

تکبیرات کے الفاظ

(۱) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں:

”اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا“

[بیہقی فی السنن الکبریٰ (۳۱۶/۳) نیل الأوطار (۶۲۱/۲)]

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں یہ لفظ ہیں:

”اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، اللَّهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُ اللَّهُ أَكْبَرُ

وَلِلَّهِ الْحَمْدُ“ (۲)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ مروی ہیں:

”اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ“ (۳)

(۱) [فتاویٰ اللجنة الدائمة (۳۰۲/۸)]

(۲) [ابن أبی شیبہ (۴۸۹/۱) الکنی للذولابی (۱۲۴/۱)]

(۳) [تمام المنة (ص ۳۵۶) إرواء الغلیل (۱۲۵/۳) نیل الأوطار (۶۲۱/۲) ابن أبی

شیبہ (۴۸۸/۱) طبرانی (۳۵۵/۹)]

امام احمد اور امام اسحاق فرماتے ہیں کہ

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی الفاظ کہنے چاہئیں۔“ (۱)

کیا عورتیں بھی تکبیریں کہیں گی؟

حضرت أم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

(1) ((کنا نومر أن نخرج الحيض فيكبرن بتكبيرهم))

”ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم (عید کے روز) حائضہ عورتوں کو بھی نکالیں تاکہ وہ بھی

تکبیرات کہنے میں لوگوں کی شریک ہوں۔“ (۲)

(2) ((وكانت ميمونة رضى الله عنها تكبر يوم النحر وكن النساء

يكبرن خلف أبان بن عثمان وعمر بن عبدالعزيز ليالى التشريق مع

الرجال فى المسجد))

”اور أم المومنين حضرت ميمونة رضی اللہ عنہا دسویں تاریخ میں تکبیریں کہتی تھیں اور

عورتیں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے مسجد میں مردوں کے ساتھ تکبیریں

کہا کرتی تھیں۔“ (۳)

نماز عید کے لیے آذان اور اقامت نہیں

(1) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((صليت مع النبي ﷺ العيد غير مرة ولا مرتين بغير أذان ولا إقامة))

”میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز عید ایک مرتبہ یا دو مرتبہ نہیں (بلکہ کئی مرتبہ) بغیر

(۱) [الأم (۴۰۱/۱) المجموع (۴۷/۵) المبسوط (۴۳/۲) الهداية (۸۷/۱) المغنى

(۲۹۰/۳) بداية المجتهد (۱۷۴/۱)]

(۲) [بخارى (۲۹۸ - البغا)]

(۳) [بخارى (قبل الحديث ۹۷۰/۱)]

آذان و اقامت کے پڑھی۔“ (۱)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

”عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن آذان نہیں کہی جاتی تھی۔“ (۲)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((ولا نعلم فی هذا خلافا))

”اور ہمیں اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں (کہ نماز عیدین کے لیے آذان

واقامت نہیں)۔“ (۳)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نماز عید کے لیے آذان اور اقامت تو مشروع نہیں لیکن اس کے لیے ”الصلاة جامعة“ کے الفاظ کہے جاسکتے ہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس لیے انہیں نہ اپنانا ہی بہتر ہے۔

شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ:

((إن النداء للعید بدعة بأی لفظ كان، واللہ أعلم))

”عید کے لیے کسی بھی لفظ کے ساتھ نداء کرنا یقیناً بدعت ہے۔ (واللہ اعلم) (۴)

نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی نفل نماز نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((أن النبي ﷺ صلى يوم العيد ركعتين لم يصل قبلهما ولا بعدهما))

(۱) [مسلم (۸۸۷) کتاب صلاة العیدین، أحمد (۹۱/۵) أبو داود (۱۱۴۸) ترمذی

[(۵۳۲)]

(۲) [بخاری (۹۵۹، ۹۶۰) کتاب الجمعة: باب المشی والركوب إلى العيد.....؛

مسلم (۷۷۶)]

(۳) [المغنی (۲۶۷/۳)]

(۴) [حاشیہ فتح الباری للشیخ ابن باز (۴۵۲/۲)]

”نبی ﷺ نے عید کے روز دو رکعت نماز پڑھائی جبکہ ان دو رکعتوں سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں پڑھی۔“ (۱)

امام ابن قدامہ کا فتویٰ:

((يكره التنفل قبل صلاة العيد وبعدها للامام والمأموم في موضع الصلاة سواء كان في المصلی أو المسجد وهو مذهب ابن عباس وابن عمر، وروی ذلك عن علي وابن مسعود وحذيفة وبريدة وسلمة بن الاكوع، وجابر وابن أبي أوفى وقال به شريح وعبدالله بن مغفل والشعبي ومالك والضحاك والقاسم وسالم ومعمروا بن جريج ومسروق وقال الزهري: لم اسمع أحدا من علمائنا يذكر أن أحدا من سلف هذه الأمة كان يصلي قبل تلك الصلاة ولا بعدها يعني صلاة العيد))

”نماز عید سے پہلے اور اس کے بعد میں امام اور مقتدی دونوں کے لیے نماز کی جگہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ عید گاہ میں ہوں یا مسجد میں۔ اور یہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے اور حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت بریدہ، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت جابر، حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اور امام شریح، امام عبداللہ بن مغفل، امام شععی، امام مالک، امام ضحاک، امام قاسم، امام سالم، امام معمر، امام ابن جریج اور امام مسروق رحمہم اللہ جمعین نے بھی یہی بات کہی ہے۔ اور امام زہری نے کہا ہے کہ میں نے اپنے علماء میں سے کسی کو ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا کہ اس امت کے سلف میں سے کوئی اس نماز سے پہلے نماز پڑھتا ہو اور نہ (یہی یہ سنا کہ) اس کے

(۱) [بخاری (۹۸۹) کتاب الجمعة: باب الصلاة قبل العيد وبعدها، مسلم (۸۸۴) أبو

داود (۱۱۵۹) ترمذی (۵۳۷) ابن ماجہ (۱۲۹۱) نسائی (۱۹۳/۳) أحمد

(۳۵۵/۱) ابن الجارود (۲۶۱) شرح السنة (۶۰۹/۲) ابن خزيمة (۳۴۵/۲)]

بعد پڑھتا ہو یعنی نماز عید کے۔“ (۱)

نماز عید کے بعد گھر جا کر نماز

عید گاہ میں تو سوائے دو رکعت کے کوئی نماز پہلے یا بعد میں پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں البتہ عید گاہ سے فارغ ہونے کے بعد گھر جا کر دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا

یصلی قبل العید شیئا فإذا رجع إلى منزله صلی رکعتین))

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ”نبی ﷺ عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ جب اپنے گھر کی طرف لوٹتے تو دو رکعت نماز ادا فرمالتے تھے۔“ (۲)

عید گاہ میں امام کے سامنے سترہ رکھنا

(1) ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : كان انبی ﷺ یغدو إلى المصلی والعنزة بین یدیه تحمل وتنصب بالمصلی بین یدیه فیصلی إليها))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عید گاہ جاتے تو برچھا (ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا ہو) آپ ﷺ کے آگے آگے لے جایا جاتا تھا پھر یہ عید گاہ میں آپ ﷺ کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ ﷺ اس کی آڑ میں

(۱) [المغنی (۲۸۰/۳)]

(۲) [ابن ماجہ (۱۲۹۳) کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء فی الصلاة قبل

صلاة العید وبعدها، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔] [صحیح ابن ماجہ (۱۰۶۹)]

حافظ بصری نے اس کی سند صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (۴۲۳/۱)] اور حافظ ابن حجر

نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ [فتح الباری (۱۰۹/۳)]

نماز پڑھتے۔“ (۱)

(2) ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ كان تركز له الحربة قدماه يوم الفطر والنحر ثم يصلى))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے برجھی آگے آگے اٹھائی جاتی اور وہ عید گاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دی جاتی آپ کی آڑ میں نماز پڑھتے۔“ (۲)

نماز عید کی رکعتیں

نماز عید کی دو رکعتیں ہیں:

(1) ((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: ”أن النبی ﷺ خرج يوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدها ومعہ بلال))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید الفطر کے دن نکلے اور (عید گاہ) میں دو رکعت نماز عید پڑھی۔ آپ ﷺ نے نہ اس سے پہلے نفل نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد۔ آپ ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔“ (۳)

(2) ((عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: صلاة الأضحی رکعتان وصلاة الفطر رکعتان وصلاة المسافر رکعتان وصلاة الجمعة رکعتان تمام غیر قصر علی لسان النبی ﷺ))

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا عید الاضحیٰ کی نماز دو

(۱) [بخاری (۹۷۳) کتاب العیدین: باب حمل العنزة أو الحربة بین یدی الإمام
یوم العید]

(۲) [بخاری (۹۷۲) کتاب العیدین: باب الصلاة الی الحربة]

(۳) [بخاری (۹۸۹) کتاب العیدین: باب الصلاة قبل العید وبعدها]

رکعتیں ہے اور عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہے اور مسافر کی نماز دو رکعتیں ہے اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہے۔ یہ نماز کم نہیں بلکہ مکمل ہے نبی ﷺ کی زبان کے مطابق۔“ (۱)

نماز عید کی قراءت

(۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ عیدین میں ”سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ اور ”هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ“ کی قراءت کرتے تھے۔ (۲)

(۲) حضرت ابو واقد لیش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں ”ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ“ اور ”اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ“ کی قراءت فرماتے۔ (۳)

نماز میں تکبیرات زائدہ

پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہی جائیں گی جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

((التكبیر فی الفطر سبع فی الأولى وخمس فی الأخری والقراءة بعدهما كلتيهما))

”عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی

(۱) [نسائی (۱۵۶۷) کتاب صلاة العیدین: باب عدد صلاة العیدین، شیخ البانی نے صحیح کہا ہے۔ [صحیح نسائی (۱۴۷۵)]

(۲) [مسلم (۸۷۸) کتاب الجمعة: باب ما یقرأ فی صلاة الجمعة، أبو داود (۱۱۲۲) ترمذی (۵۳۳) نسائی (۱۴۲۴)]

(۳) [مسلم (۸۹۱) کتاب صلاة العیدین: باب ما یقرأ فی صلاة العیدین، مؤطا (۱۸۰/۱) أحمد (۲۱۷/۵) أبو داود (۱۱۵۴)]

جائیں گی اور قراءت ان دونوں کے بعد کی جائے گی۔“ (۱)

(2) حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

”نبی ﷺ نے نماز عیدین کی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور

دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔“ (۲)

(3) حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔ (۳)

امام احمد، امام شافعی اور امام مالک فرماتے ہیں کہ

پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ

تکبیریں کہی جائیں۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ،

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ، امام زہری،

(۱) [أبو داود (۱۱۵۱) كتاب الصلاة: باب التكبير في العيدين، ابن ماجه (۱۲۷۸)

أحمد (۱۸۰/۲) ابن الحارود (۲۶۲) دارقطنی (۴۸/۲) شرح معانی الآثار

(۳۹۹/۲) بیہقی (۲۸۵/۳) شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح أبو داود

(۱۰۲۰)] امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے اسے صحیح کہا ہے۔ [العلل الكبير

(ص ۹۳۱-۹۴) (۱۵۴)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے شواہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔ [التعليق

على سبيل السلام (۶۷۹/۲)]

(۲) [ترمذی (۵۳۶) كتاب الجمعة: باب ما جاء في التكبير في العيدين، ابن ماجه

(۱۲۷۹) ابن خزيمة (۱۴۳۸) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی

(۴۴۲)] اگرچہ اس حدیث کی سند میں کثیر بن عبداللہ راوی ضعیف ہے۔ [میزان الاعتدال

(۴۰۶/۳) لیکن شواہد کی وجہ سے قوی و مضبوط ہو جاتی ہے۔ [المجموع للنووی (۱۶/۵)]

(۳) [ابن ماجه (۱۲۷۷) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها: باب ما جاء في كم يكبر الإمام

في صلاة العيدين، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه (۱۰۵۵) شیخ محمد صبحی

حسن حلاق نے شواہد کی وجہ سے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبيل السلام (۲۳۴/۳)]

امام مکحولؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحاقؒ وغیرہ سے بھی یہی موقف مروی ہے۔ (۱)
اس مسئلے میں فقہاء کے دس مختلف اقوال ہیں جیسا کہ امام شوکانیؒ نے اپنی معروف کتاب ”نیل الأوطار“ میں یہ تمام اقوال نقل کیے ہیں تفصیل کا طالب ان کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ (۲)

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیروں کے متعلق فرماتے ہیں کہ
(و هو أولى ما عمل به))

”یہی زیادہ بہتر ہے جس کے مطابق عمل کیا جائے۔“ (۳)

امام صنعانیؒ اور صدیق حسن خانؒ نے بھی اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔ (۴)

ہردو تکبیروں کا درمیانی فاصلہ

ہردو تکبیروں کے درمیان ایک معتدل آیت کے برابر ٹھہرنا چاہیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے قولاً اور فعلاً اسی طرح مروی ہے
(أن بین کل تکبیرتین قدر کلمة))

”ہردو تکبیروں کے درمیان ایک کلمے کی مقدار کے برابر فاصلہ ہونا چاہیے۔“ (۵)

(۱) [المجموع (۲۰/۱۵) الأم (۳۹۵/۱) المغنی (۲۷۰/۳) البدائع (۲۷۷/۱) الميسوط (۴۰/۲)

الهداية (۸۶۳/۱) بداية المحتهد (۱۷۱۳/۱)]

(۲) [نیل الأوطار (۶۰۰/۲-۶۰۱)]

(۳) [نیل الأوطار (۶۰۱/۲)]

(۴) [سبل السلام (۶۸۱/۲) الروضة الندية (۳۵۸/۱)]

(۵) [رواه الطبرانی فی المعجم الزوائد (۲۰۵/۲) یہ بات حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمائی ہے۔

[تلخیص الحبير (۸۵/۲)]

تکبیرات عیدین کا حکم

بعض حضرات ان کی فرضیت کے قائل ہیں جبکہ ان کے علاوہ اکثر کے نزدیک عیدین کی تکبیریں سنت ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تکبیر چھوڑے گا تو سجدہ سھو کرے گا۔ جبکہ جمہور علماء کا خیال ہے کہ ایسے شخص پر کوئی سجدہ سھو نہیں۔
امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((والتكبيرات والذكر بينها سنة وليس بواجب، ولا تبطل الصلاة بتركه عمدا ولا سهوا ولا أعلم فيه خلافا فان نسي التكبير وشرع في القراءة لم يعد إليه))

”تکبیرات (نماز عیدین) اور ان کے درمیان ذکر سنت ہے واجب نہیں۔ نہ تو جان بوجھ کر اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوگی اور نہ ہی بھول کر اور مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم بھی نہیں۔ اگر کوئی تکبیر بھول جائے اور قراءت شروع کر دے تو دوبارہ اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔“ (۱)
نواب صدیق حسن خانؒ کا فتویٰ:

((والحاصل أنه سنة لا تبطل الصلاة بتركه عمدا ولا سهوا))

”اور حاصل یہ ہے کہ یہ (تکبیر) سنت ہے جان بوجھ کر یا بھول کر اس کے چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔“ (۲)

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

((والظاهر عدم وجوب التكبير كما ذهب إليه الجمهور لعدم وجدان

(۱) [المغنی (۲۷۵/۳)]

(۲) [الروضة الندية (۳۶۱/۱)]

دلیل یدل علیہ))

”اور ظاہر یہ ہے کہ تکبیریں کہنا واجب نہیں جیسا کہ جمہور اسی کے قائل ہیں کیونکہ ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو۔“ (۱)

اگر کسی کو تکبیرات کے عدد میں شک ہو جائے

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وإذا شك في عدد التكبيرات بنى على اليقين))

”اور جب تکبیرات کے عدد میں شک ہو جائے تو یقین پر بنیاد رکھے (یعنی جتنی تکبیروں کا یقین ہو اتنی شمار کر لے)۔“ (۲)

تکبیرات عیدین کے ساتھ رفع الیدین

حضرت ابن عمرؓ (عید کی) ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے جیسا کہ امام ابن قیمؒ نے یہ بات نقل فرمائی ہے۔ (۳)

اس اثر کے متعلق شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ

((لم أجده إلى الآن)) ”ابھی تک ایسا کوئی اثر مجھے نہیں ملا۔“

اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

((لم أسمع فيه شيئاً)) ”اس کے متعلق میں نے کچھ نہیں سنا۔“ (۴)

امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ اور امام عطاء فرماتے ہیں کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع

(۱) [نبيل الأوطار (۲/۲۰۶)]

(۲) [المغنى (۳/۲۷۶)]

(۳) [زاد المعاد (۱/۴۴۳)]

(۴) [تمام المنة (ص/۳۴۹)، إرواء الغلیل (۶۴۰) المجموع (۲۶/۵) المدونة الكبرى

[۱/۱۶۹]]

الیدین کیا جائے گا جبکہ امام مالکؒ، امام ابن حزمؒ اور امام شوریٰ کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی تکبیر میں رفع الیدین نہ کیا جائے۔ (۱)

شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ

یہ عمل مسنون نہیں ہے نیز کسی صحابی کا عمل کسی کام کو سنت نہیں بنا سکتا۔ (۲)

البتہ جو لوگ تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے

استدلال کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ

((ویرفعهما فی کل رکعة وتکبیرة کبرها قبل الركوع))

”نبی ﷺ ہر رکعت اور ہر اس تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے جو آپ ﷺ رکوع سے

پہلے کہتے۔“ (۳)

ہمارے علم کے مطابق عیدین کی تکبیروں میں رفع الیدین کرنا کسی صحیح حدیث و اثر

سے ثابت نہیں اور مذکورہ روایت بھی اس مسئلے میں واضح دلیل نہیں۔ (ذوالفقار علیؒ، ۴)

جو تشہد میں امام سے ملے وہ کیا کرے؟

ایسے شخص کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر نماز عید کے طریقے کے

مطابق دو رکعت نماز ادا کر لے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں مطلق طور پر ذکر ہے کہ امام کے

ساتھ جتنی نماز ملے وہ پڑھ لینی چاہیے اور جو رہ جائے اسے بعد میں پورا کر لینا چاہیے۔

(۱) [الأوسط لابن المنذر (۲۸۲/۴) المدونة الكبرى (۱۶۹/۱) المحلي (۸۳/۵)

المجموع (۲۱۵)]

(۲) [تمام المنة (ص ۳۴۹۱)]

(۳) [أبو داود (۷۲۲) أحمد (۱۳۴/۲) دارقطنی (۲۸۹/۱) المنتقى لابن الحارود

(۱۷۸) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [إرواء الغلیل (۱۱۳/۳)]

(۴) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ الدین الخالص (۸۸/۴ - ۹۰)]

((عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال إذا سمعتم الإقامة فامشوا إلى الصلاة وعليكم بالسكينة والوقار ولا تسرعوا فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلو اور سکون اور وقار کو لازم پکڑو اور جلدی مت کرو۔ پس جو تم پا لو وہ نماز پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پورا کر لو۔“ (۱)

امام ابن قدامہ کا فتویٰ:

((وإن أدرك الإمام في التشهد جلس معه فإذا سلم الإمام قام فصلي ركعتين ياتي فيهما بالتكبير لأنه أدرك بعض الصلاة التي ليست مبدلة من أربع فقضاها على صفتها كسائر الصلوات))

”اگر کوئی امام کو تشہد میں پائے تو اس کے ساتھ بیٹھ جائے اور جب امام سلام پھیر دے تو کھڑا ہو جائے اور دو رکعتیں ادا کرے اور ان رکعتوں میں تکبیریں بھی کہے کیونکہ اس نے ایسی نماز کا کچھ حصہ پایا ہے جو چار رکعتوں کے بدلے میں لی ہوئی نہیں ہے تو ساری نمازوں کی طرح اس کے طریقے کے مطابق ہی اسے پورا کر لے۔“ (۲)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((من أدرك التشهد فقط مع الإمام من صلاة العیدین أو صلاة الاستسقاء؛ صلى بعد سلام الإمام ركعتين يفعل فيهما كما فعل الإمام من تكبير وقراءة وركوع وسجود))

”جو شخص نماز عیدین یا نماز استسقاء میں امام کے ساتھ صرف تشہد حاصل کر سکے وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت ادا کر لے، ان دونوں رکعتوں میں اسی طرح تکبیر،

(۱) [بخاری (۶۳۶) کتاب الآذان: باب لا یسعی إلى الصلاة وليأت بالسكينة والوقار]

(۲) [المغنی (۲۸۵/۳)]

قراءت رکوع اور سجدے کرے جیسے امام نے کیے۔“ (۱)

امام نماز کے بعد خطبہ دے

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((كان رسول الله ﷺ وأبو بكر وعمر يصلون العيد قبل الخطبة))

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبے سے پہلے نماز عید ادا

فرماتے تھے۔“ (۲)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے کہ

((فكلهم كانوا يصلون قبل الخطبة))

”یہ سب لوگ خطبے سے پہلے نماز عید پڑھتے تھے۔“ (۳)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

((خرج يوم الفطر فصلى قبل الخطبة))

”عید الفطر کے دن باہر نکلے اور آپ نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی۔“ (۴)

(4) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لیے

عید گاہ تشریف لے جاتے

((وأول شيء يبدأ به الصلاة))

(۱) [فتاویٰ اللجنة الدائمة (۳۰۷/۸)]

(۲) [بخاری (۹۶۳) كتاب الجمعة : باب الخطبة بعد العيد، مسلم (۸۸۸) ترمذی

(۹۲۹) ابن ماجہ (۱۲۷۶) بیہقی (۲۹۶/۳) أحمد (۱۲/۲)]

(۳) [بخاری (۹۶۲) أيضا، مسلم (۸۸۴) أبو داود (۱۱۴۷) ابن ماجہ (۱۲۷۴)

أحمد (۲۲۷/۱) ابن خزيمة (۱۴۵۸)]

(۴) [بخاری (۹۵۸) كتاب الجمعة : باب المشى والركوب إلى العيد.....، مسلم

(۸۸۵) أبو داود (۱۱۴۱) ابن خزيمة (۱۴۵۹)]

”اور پہلی چیز جس کا آپ ﷺ آغاز فرماتے وہ نماز ہوتی۔“

ادائیگی نماز کے بعد رخ پھیر کر لوگوں کی طرف کھڑے ہوتے، لوگ اس وقت اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے اور آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے اور نیکی کا حکم کرتے۔“ (۱)

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خطبہ نماز عید کے بعد ارشاد فرماتے اور خطبے میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے نماز عید پڑھائی ”پھر آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا، اطاعت کی ترغیب دلائی، لوگوں کو وعظ و نصیحت کی، پھر آپ چلے حتیٰ کہ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں بھی وعظ و نصیحت کیا۔“ (۲)

سب سے پہلے جس شخص نے نماز عید سے پہلے خطبہ دے کر سنت کی مخالفت کی تھی وہ مروان (اموی خلیفہ) تھا یہی وجہ ہے کہ اسی وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تھا:

((یا مروان خالفت السنة)) ”اے مروان! تو نے سنت کی مخالفت کی ہے۔“..... (وہ

اس طرح کہ) تو نے نماز سے پہلے خطبہ شروع کر دیا ہے۔ (۳)

علاوہ ازیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ

((أول من أحدث الخطبة قبل الصلاة في العيد معاوية))

”نماز عید سے پہلے خطبہ جس شخص نے سب سے پہلے شروع کیا تھا وہ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔“ (۴)

(۱) [بخاری (۹۵۶) کتاب الجمعة: باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، مسلم

(۸۸۹) نسائی (۱۸۷/۳) أحمد (۳۶/۳) أبو يعلى (۱۳۴۳)]

(۲) [مسلم (۸۸۵) کتاب صلاة العیدین، نسائی (۱۸۶/۳)]

(۳) [مسلم (۴۹) کتاب الإیمان: باب بیان کون النہی عن المنکر من الإیمان..... أبو

داود (۱۱۴۰، ۴۳۴۰) ترمذی (۲۱۷۲)]

(۴) [عبدالرزاق (۵۶۴۶)]

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

نماز خطبے سے پہلے ادا کی جائے۔ (۱)

خطبہ عید کا حکم

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ عید میں حاضر ہوا۔ جب آپ ﷺ نے نماز مکمل کی تو فرمایا

((إنا نخطب فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس ومن أحب أن يذهب

فليذهب))

”یقیناً ہم خطبہ دیں گے پس جو خطبے کے لیے بیٹھنا پسند کرے وہ بیٹھ جائے اور جو جانا پسند کرے وہ چلا جائے۔“ (۲)

نماز عید کا صرف ایک خطبہ ہے

گذشتہ تمام احادیث جن میں خطبے کا ذکر ہے وہ سب اس کی دلیل ہیں کیونکہ ان میں محض خطبہ دینے کا ہی ذکر ہے جو ایک مرتبہ خطبہ دینے کی تو دلیل ہے لیکن دو خطبوں کے لیے کوئی واضح دلیل ہونی چاہیے جو کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں تاہم اس ضمن میں چند ضعیف روایات موجود ہیں جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے:

((عن سعد بن أبي وقاص: أن النبي ﷺ صلى العيد بغير أذان ولا إقامة،

وكان يخطب خطبتين قائما يفصل بينهما بجلسة))

”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ”نبی ﷺ آذان اور اقامت کے بغیر نماز عید پڑھاتے اور کھڑے ہو کر دو خطبے دیتے اور ان دونوں کے

(۱) [نیل الأوطار (۲/۵۹۳)]

(۲) [أبو داود (۱۱۵۵) كتاب الصلاة: باب الجلوس للخطبة، ابن ماجه (۱۲۹۰)]

نسائی (۱۸۵/۳) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح أبو داود (۱۰۲۴)]

درمیان بیٹھ کر فاصلہ کرتے۔“ (۱)

خطبہ عید کو جمعہ کے خطبوں پر قیاس کرنا بھی کسی طور پر درست نہیں کیونکہ عبادات میں قیاس کا دخل نہیں۔

جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے مرد حضرات کو خطبہ دینے کے بعد خواتین کے پاس جا کر انہیں وعظ و نصیحت کیا اس سے بھی دوسرے خطبے کی مشروعیت کے لیے دلیل پکڑنا درست نہیں کیونکہ دوسری روایت میں یہ وضاحت ہے کہ

((ثم خطب فرأى أنه لم يسمع النساء فأتاهن و ذكرهن))

”پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور آپ ﷺ نے یہ خیال کیا کہ آپ عورتوں کو نہیں سنا سکے لہذا آپ ان کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی۔“ (۲)

حافظ عبد المنان نوری پوری کا فتویٰ:

عیدین کا ایک خطبہ تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے البتہ عیدین کے لیے دو خطبے رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، دو خطبے والی کوئی ایک روایت بھی درجہ احتجاج و قبول تک نہیں پہنچتی۔ رہا بعد میں خطبہ عیدین کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا تو اس کی شرعا کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (واللہ اعلم)

مزید فرماتے ہیں کہ (درج بالا احادیث میں موجود) الفاظ الخطبة، خطب اور یخطب کی دلالت ایک خطبہ پر تو واضح ہے اور دو کے لیے دلیل درکار ہے جو موجود نہیں پھر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے خطبہ عید کی جو مختصر تفصیل مذکور ہے وہ بھی ایک ہی خطبہ پر دال ہے ایک عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے عورتوں کو

(۱) [كشف الأستار للبخاری (۳۱۵/۱)، (۶۵۷)] شیخ البانی ”رقطراز ہیں کہ یہ حدیث نہ تو صحیح

ہے اور نہ ہی حسن ہے۔ [تمام المنة (ص ۳۴۸)]

(۲) [مسلم (۱۴۶۵) کتاب صلاة العیدین، ابن ماجہ (۱۲۶۳) کتاب إقامة الصلاة والسنة

فیہا: باب ما جاء فی صلاة العیدین]

وعظ و تذکیر سے دوسرے خطبہ پر استدلال درست نہیں۔

اولاً: تو اس لیے کہ مدعا اور رائج دوسرا خطبہ آپ ﷺ کے اس وعظ سے مختلف ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی مذکور بالا حدیث میں ہے ((فلما فرغ نبی اللہ ﷺ نزل الخ)) تو آپ ﷺ کا یہ وعظ صلاۃ عید اور خطبہ عید سے فراغت کے بعد تھا۔

ثالثاً: اس لیے کہ صحیح مسلم (۲۸۹/۱) میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے

((أشهد على رسول الله ﷺ يصلى قبل الخطبة قال: ثم خطب، فرأى أنه

لم يسمع النساء، فاتاهن وذكرهن)) الحدیث۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ ((ثم خطب الخ)) ان کے الفاظ ((يصلى قبل

الخطبة)) کی تفصیل و تفسیر ہے تائیس نہیں لہذا ان کے ان الفاظ سے بھی دوسرے خطبہ پر

استدلال صحیح نہیں ہے۔ (واللہ اعلم) (۱)

خطبہ عید کے لیے منبر مشروع نہیں

کیونکہ سنت نبوی سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے (نماز عید کے متعلق ایک) روایت میں ہے کہ نبی ﷺ

نماز کی ادائیگی کے بعد رخ پھیرتے

((فيقوم مقابل الناس)) ”اور لوگوں کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے۔“

اور تمام لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے آپ انہیں وعظ و نصیحت فرماتے، اچھی باتوں

کا حکم دیتے۔ اگر جہاد کے لیے کہیں لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو اس کو الگ کرتے۔ کسی اور بات

کا حکم دینا ہوتا تو وہ دیتے۔ اس کے بعد شہر واپس تشریف لاتے۔“ (۲)

(۱) [احکام و مسائل (۲۰۴/۱-۲۰۶)]

(۲) [بخاری (۹۵۶) کتاب الجمعة: باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، مسلم

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے منبر استعمال نہیں فرمایا۔ (۱)
صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ”سب سے پہلے مروان نے عید گاہ میں
منبر رکھوایا۔“ (۲)

البتہ ابن حبان کی روایت میں ہے کہ ”نبی ﷺ نے اپنی سواری پر خطبہ عید
ارشاد فرمایا۔“ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی سواری وغیرہ پر بیٹھ کر خطبہ دینا مباح و درست ہے۔

ایک شخص نماز عید پڑھائے اور دوسرا خطبہ دے

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((السنة أن يؤم الناس في صلاة العيد ويخطب بهم شخص واحد لكن
إن أمهم في الصلاة شخص، وخطبهم آخر أجزاهم ذلك كالجمعة))
”سنت یہ ہے کہ نماز عید میں ایک ہی شخص لوگوں کی امامت کرائے اور انہیں خطبہ
دے لیکن اگر ایک شخص انہیں نماز میں امامت کرائے اور کوئی دوسرا انہیں خطبہ دے تو یہ بھی
انہیں کفایت کر جائے گا جیسے جمعہ میں کفایت کر جاتا ہے۔“ (۴)

عورتوں کو وعظ و نصیحت

امام بخاری نے باب قائم کیا ہے

((باب موعظة الإمام النساء يوم العيد))

(۱) [سبل السلام (۶۷۹/۲)]

(۲) [بخاری (۹۵۶)]

(۳) [الإحسان (۶۵۷/۲۸۲۵)؛ أبو يعلى (۱۱۸۲) امام بیہقی نے اس کے رجال کو صحیح کے رجال
کہا ہے۔] [المجمع (۲۰۵/۲) اس حدیث کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے جیسا کہ شیخ شعبان ابن ووط
نے نقل کیا ہے۔] [التعليق على سبل السلام للشيخ صبحي حسن حلاق (۲۳۱/۳)]

(۴) [فتاوى اللجنة الدائمة (۳۰۳/۸)]

”باب امام کا عید کے دن عورتوں کو نصیحت کرنا۔“

اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

((عن جابر بن عبد اللہ قال : قام النبي ﷺ يوم الفطر فصلى ، فبدأ بالصلاة ثم

خطب ، فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن وهو يتوكأ على يد بلال وبلال

باسط ثوبه يلقي فيه النساء الصدقة))

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عید الفطر کی نماز پڑھی۔ پہلے

آپ نے نماز پڑھی اس کے بعد خطبہ دیا۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو اترے اور

عورتوں کی طرف آئے۔ پھر انہیں نصیحت فرمائی۔ آپ ﷺ اس وقت بلال رضی اللہ عنہ کے

ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا اچھیلارکھا تھا جس میں عورتیں صدقہ

ڈال رہی تھیں۔“ (۱)

یاد رہے کہ آج کل چونکہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے مردوں کے ساتھ ہی عورتوں تک بھی

خطبہ کی آواز پہنچ جاتی ہے لہذا عورتوں کی طرف الگ وعظ و نصیحت کے لیے جانے کی

ضرورت نہیں اور نبی ﷺ نے بھی عورتوں کو الگ اس لیے وعظ فرمایا تھا کہ ان تک آواز نہیں

پہنچی تھی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((قال عطاء سمعت ابن عباس رضي الله عنهما يقول : أشهد على رسول الله صلى

قبل الخطبة قال : ثم خطب فرأى أنه لم يسمع النساء فأتاهن فذكرهن

ووعظهن وأمرهن بالنسيئة))

”ایام عطاء نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے تھے

میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی پھر

آپ سے سبب ارشاد فرمایا تو آپ ﷺ کو خیال آیا کہ آپ عورتوں کو نہیں سنا سکے اس لیے

(۱) [بخاری (۹۷۸) کتاب العیدین : باب مرعظة الإمام النساء يوم العيد]

آپ ان کے پاس آئے، انہیں وعظ و نصیحت کیا اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔“ (۱)
اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ

((وفی هذا الأحادیث استحباب وعظ النساء وتذکیرهن الآخرة وأحكام

الإسلام وحنهن على الصدقة))

”ان احادیث میں خواتین کو آخرت اور اسلام کے احکام کے متعلق وعظ و نصیحت

کرنے اور انہیں صدقہ کی ترغیب دینے کے استحباب کا بیان ہے۔“ (۲)

نماز عید کے بعد مبارکباد دینا

اس سلسلہ میں نبی ﷺ سے تو کچھ ثابت نہیں البتہ صحابہ سے بعض آثار ملتے ہیں۔

(1) شیخ البانیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ محمد بن زیاد نے کہا

((كنت مع أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه وغيره من أصحاب النبي ﷺ

فكانوا إذا رجعوا يقول بعضهم لبعض ”تقبل الله منا ومنك“ قال أحمد بن

حنبل: اسنادہ جيد))

”میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ اور نبی ﷺ کے دیگر صحابہ کے ساتھ تھا وہ جب

(نماز عید سے) واپس لوٹتے تو ایک دوسرے سے کہتے ”تَقَبَّلَ اللَّهُ مِنَّا وَمِنْكَ“ امام

احمد بن حنبلؒ نے کہا: اس کی سند جيد ہے۔“ (۳)

(2) حافظ ابن حجرؒ نے جبیر بن نفیلؒ کے متعلق روایت نقل کی ہے کہ

(۱) [مسلم (۸۸۴) کتاب صلاة العیدین، أحمد (۱۹۰۲) ابن ماجه (۱۲۷۳، ۱۲۷۴)

دارمی (۱۶۰۳) حمیدی (۴۷۶) ابن أبي شيبه (۱۶۹/۲) طبرانی کبیر (۱۱۳۴۰)

شرح السنة (۱۱۰۲)]

(۲) [شرح مسلم (۱۹۳/۴)]

(۳) [تمام المنه (ص/۳۵۵)]

((كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض "تقبل الله منا ومنك"))

”رسول اللہ ﷺ کے صحابہ عید کے دن جب ملتے تو ایک دوسرے کو کہتے ”تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ“ (۱)

نماز عید کی قضا

نماز عید کی قضا اس طرح ادا کی جائے گی کہ انسان دو رکعت نماز ادا کرے اور اس میں اسی طرح تکبیریں اور ذکر کرے جیسے نماز عید میں کیا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم) سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((صلاة العیدین فرض کفایة إذا قام بها من یکنفی سقط الإثم عن الباقین.....ومن فاتته وأحب قضاها استحب له ذلك فیصلیها علی صفتها من دون خطبه))

”نماز عیدین فرض کفایہ ہے (یعنی) اگر اتنے افراد سے قائم کر دیں جو کافی ہو جائیں تو باقیوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا..... اور جس کی یہ نماز فوت ہو جائے اور وہ اس کی قضا دینا چاہے تو اس کے لیے یہ مستحب ہے لہذا وہ خطبہ کے بغیر اس نماز کے طریقے کے مطابق اسے ادا کر لے۔“ (۲)

واپسی پر راستہ تبدیل کرنا

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((كان النبی ﷺ إذا كان يوم عيد خالف الطريق))

(۱) [فتح الباری (۴/۶۱۲) حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے اور شیخ البانی نے بھی یہ

بات نقل کی ہے۔ [تمام العنة (ص/۳۵۶)]

(۲) [فتاویٰ اللجنة الدائمة (۳۰۶/۸)]

”جب عید کا دن ہوتا تو نبی ﷺ راستہ تبدیل کر لیتے۔“ (۱)

(2) ((عن أبي هريرة رضي الله عنه قال كان النبي ﷺ إذا خرج إلى العيد يرجع في غير الطريق الذي خرج فيه))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”نبی ﷺ عید کے روز جب کسی راستے سے نکلتے تو واپسی پر کسی دوسرے راستے سے لوٹتے۔“ (۲)

عید اگر جمعہ کے روز آجائے

ایسی صورت میں نماز عید تو معمول کے مطابق ہی ادا کی جائے گی البتہ جمعہ میں اختیار ہوگا یعنی اگر کوئی چاہے تو مسجد میں حاضر ہو کر جمعہ پڑھ لے اور اگر چاہے تو نہ پڑھے لیکن یہ یاد رہے کہ جمعہ نہ پڑھنے والے پر نماز ظہر کی اکیلے یا باجماعت ادائیگی بہر صورت ضروری ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أن النبي ﷺ صلى العيد في يوم الجمعة ثم رخص من الجمعة فقال من شاء أن يجمع فليجمع))

”بلاشبہ نبی ﷺ نے بروز جمعہ نماز عید پڑھائی پھر جمعہ کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا کہ جو جمعہ پڑھنا چاہے پڑھ لے۔“ (۳)

- (۱) [بخاری (۹۸۶) کتاب الجمعة: باب ما خالف الطريق إذا رجع يوم العيد]
- (۲) [ترمذی (۵۴۱) کتاب الجمعة: باب ما جاء في خروج النبي إلى العيد في طريق ورجوعه من طريق آخر] ابن ماجہ (۱۳۰۱) أحمد (۳۳۸/۲) حاکم (۲۹۶/۱) ابن حزمیة (۱۴۶۸) ابن حبان (۵۹۲-الموارد) دارمی (۳۷۸/۱) بیہقی (۳۰۸/۳) شرح السنة (۶۰۸/۲) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی (۴۴۶)]
- (۳) [أبو داود (۱۰۷۰) کتاب الصلاة: باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد] أحمد (۳۷۲) ابن ماجہ (۱۳۱) نسائی (۱۵۹۱) حاکم (۲۸۸/۱) بیہقی (۴۱۷/۳) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح أبو داود (۹۴۵)]

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان فمن شاء أجزأه من الجمعة وإننا

مجمعون))

”یقیناً تمہارے اس دن میں دو عیدیں اکٹھی ہوں گی ہیں پس جو چاہے اسے (نماز عید ہی) نماز جمعہ سے کفایت کر جائے گی لیکن ہم تو جمعہ ادا کریں گے۔“ (۱)

یاد رہے کہ ”إننا مجمعون“ سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ رخصت محض عوام کے لیے ہے امام کے لیے نہیں بلکہ یہاں صرف یہی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے رخصت نہیں بلکہ عزیمت کو اختیار کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کے لیے یہ رخصت موجود ہی نہیں تھی جیسا کہ اس کی وضاحت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نماز عید پڑھائی لیکن نماز جمعہ نہیں پڑھائی بلکہ لوگ انتظار ہی کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے اکیلے نماز پڑھ لی۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ((أصاب السنة)) ”ابن زبیر رضی اللہ عنہما سنت کو پہنچ گئے ہیں۔“ (۲)

بروز جمعہ عید ہو تو کیا ظہر پڑھی جائے گی

یا اس کی بھی ضرورت نہیں؟

امام عطاء سے مروی ہے کہ

((اجتمع یوم جمعة و یوم فطر علی عهد ابن الزبیر فقال عیدان

(۱) [أبو داود (۱۰۷۳) أيضا، ابن ماجة (۱۳۱۱) بیہقی (۳۱۸/۳) شیخ البانی نے

اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح أبو داود (۹۴۸)]

(۲) [أبو داود (۱۰۷۱) أيضا، نسائی (۱۹۴/۳) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح

أبو داود (۹۴۶)]

اجتماعاً فی یوم واحد فجمعهما جمیعاً فصلاهما رکعتین بکرة لم یزد علیهما حتی صلی العصر))

”حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ جمعہ اور عید الفطر ایک ہی دن میں اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں پھر انہوں نے ان دونوں کو اس طرح اکٹھے جمع کیا کہ صبح کے وقت ان دونوں نمازوں کے لیے دو رکعت نماز ادا کر لی اس سے زائد کچھ نہ پڑھاتا آنکہ نماز عصر ادا کی۔“ (۱)

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ

اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے نماز ظہر نہیں ادا کی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً اگر کسی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جائے تو جس سے ساقط ہوا ہے اس پر نماز ظہر کی ادائیگی بھی واجب نہیں جیسا کہ امام عطاءؒ بھی اسی کے قائل ہیں..... اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں جو جمعہ کو اتسار قرار دیتے ہیں۔ اور آپ کو اس بات کا علم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بروز جمعہ بندوں پر جو فرض ہے وہ محض نماز جمعہ ہی ہے لہذا کسی عذر یا بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑنے والے شخص پر نماز ظہر کو واجب قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے..... اور میرے علم کے مطابق ایسی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔ (۲)

امام صنعانی فرماتے ہیں کہ: (1) یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عطاءؒ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے لیے نہیں نکلے لیکن محض اتنی بات اس میں نص قطعی کی حیثیت نہیں رکھتی کہ انہوں نے گھر میں بھی نماز ادا نہیں کی اس لیے بالجزم یہ کہنا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی تھا کہ نماز ظہر ضروری نہیں..... اس احتمال کی وجہ سے صحیح نہیں کہ عین ممکن ہے انہوں نے وہ نماز گھر میں ہی پڑھ لی ہوگی۔

(۱) [أبو داود (۱۰۷۲) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔] [صحیح أبو داود (۹۴۷)]

(۲) [نبیل الأوطار (۵۷۸/۲) معنا ومفہوما]

(2) بلکہ اس کی مزید تائید امام عطاءؒ نے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ((أنهم صلوا وحدانا)) ”لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز ادا کر لی۔“..... اور (اس کے برخلاف) بالاتفاق نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ہی درست ہے (لہذا انہوں نے جمعہ نہیں پڑھا بلکہ صرف نماز ظہر ہی اکیلے ادا کر لی)۔

(3) اور یہ کہنا کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ اصل ہے اور نماز ظہر کا بدل ہے مرجوح قول ہے بلکہ اصل فرض جو اسراء کی رات مقرر کیا گیا وہ ظہر ہی ہے اور جمعہ کی فرضیت متاخر ہے پھر (یہ مسئلہ بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ) جب جمعہ رہ جائے تو نماز ظہر پڑھنا اجماعاً واجب ہے تو (ثابت ہوا کہ) جمعہ ظہر کا بدل ہے (نہ کہ ظہر جمعہ کا بدل ہے)۔ (۱)

شمس الحق عظیم آبادیؒ نے امیر صنعانیؒ کے قول کو درست قرار دیا ہے۔ (۲)

عید کے دن روزے کا حکم

(1) ((عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ نهى عن صيام يومين يوم الفطر ويوم الاضحى))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دنوں کے روزے سے منع فرمایا ہے یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن۔“ (۳)

(2) ((عن ابى سعيد قال قال رسول الله: لا صوم فى يوم عيد))

”حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عید کے دن

(۱) [سبل السلام (۶/۲۶۴)]

(۲) [عون المعبود (۳/۲۸۸)]

(۳) [صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان (۳۵۹۸) كتاب الصوم: باب ذكر الزجر عن

صوم اليومين اللذين يعيد فيهما، شيخ شعيب الرؤوف نے اسے صحیح کہا ہے۔ [أيضاً] مؤطا

(۳۰۰/۱) أحمد (۵۱۱/۴) مسلم (۱۱۳۸) بیہقی (۲۹۷/۴) شرح السنة

(۱۷۹۴) بخاری (۱۹۹۳) دارقطنی (۱۵۷/۲)

میں کوئی روزہ نہیں۔“ (۱)

امام نوویؒ کا فتویٰ:

((قد أجمع العلماء على تحريم صوم هذين اليومين بكل حال سواء

صامهما عن نذر أو تطوع أو كفارة أو غير ذلك))

”ہر حال میں ان دونوں دنوں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کے روزے کی حرمت پر علماء

نے اجماع کیا ہے خواہ کوئی نذر کے یا نقلی یا کفارہ کے یا اس کے علاوہ کوئی اور روزے

رکھے (سب ممنوع ہیں)۔“ (۲)

ایام تشریق میں روزے کا حکم

(۱) ((عن أبي هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: أيام منى أيام

أكل وشرب))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”منی کے دن

کھانے اور پینے کے دن ہیں۔“ (۳)

(۲) ((عن أبي هريرة رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ أمر عبد الله بن حذافة أن يطوف

في أيام منى ألا لا تصوموا هذه الأيام فإنها أيام أكل وشرب وذكر الله))

(۱) [صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان (۳۵۹۹) كتاب الصوم: باب ذكر الزجر عن

صيام يوم العيد للمسلمين، شيخ شعيب ارتوط نے اسے صحیح کہا ہے۔ [أيضا] أبو يعلى

(۱۱۶۶) أحمد (۷/۳) حمیدی (۷۵۰) ابن ابی شیبہ (۱۰۴/۳) دارمی (۲۰/۲)

بخاری (۱۱۹۷) ابن ماجہ (۱۷۲۱)]

(۲) [شرح مسلم (۲۷۱/۴)]

(۳) [صحيح ابن حبان (۳۶۰۱) كتاب الصوم: باب في صوم أيام الشتريق، شيخ شعيب

ارتوط نے اسے حسن کہا ہے۔ [أيضا] ابن ماجہ (۱۷۱۹) حافظ بوسری نے اسے صحیح کہا

ہے۔ [مصباح الزجاجة (۲۶/۲)]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو ایام منیٰ میں طواف کرنے کا حکم دیا، (اور فرمایا) خبردار ان دنوں میں روزہ نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔“ (۱)

(3) ((عن عقبہ بن عامر عن النبی ﷺ قال : يوم عرفة ويوم النحر وأيام الشريق هن عيدنا أهل الإسلام هن أيام أكل وشرب))

”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا عرفہ کا دن، عید الاضحیٰ کا دن اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید (کے دن) ہیں، یہ کھانے اور پینے کے دن ہیں۔“ (۲)

عید کے دن جہاد کی مظاہرہ

صحیح بخاری میں ہے کہ

((وكان يوم عيد يلعب السودان بالدرق والحراب، فإما سألت النبی ﷺ وإما قال : (تستهين تنظرين؟) فقلت : نعم وأقمني وراءه، خدى على خده وهو يقول : ”دونكم يا بنى ارفدة“ حتى إذا ملكت قال : حسبك؟ قلت : نعم، قال : فاذهبي))

”اور عید کا دن تھا۔ حبشہ سے کچھ لوگ ڈھالوں اور برچھوں سے کھیل رہے تھے۔ اب یا خود میں نے کہا یا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم یہ کھیل دیکھو گی، میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔ میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ فرما رہے

(۱) [أحمد (۵۱۳/۲) طحاوی (۲۴۴/۲)]

(۲) [صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان (۳۶۰۳) کتاب الصوم : باب ذکر العلة التي من أجلها نهى عن صيام هذا الايام، شيخ شعيب الرزوي في شرحه [ايضا] ابن ابى شيبة (۱۰۴/۳) أحمد (۱۰۲/۴) دارمی (۲۳/۲) ابو داود (۲۴۱۹) ترمذی (۷۷۳) نسائی (۲۰۲/۵) خزيمه (۲۱۰۰) حاکم (۴۳۴/۱)]

تھے کھیلو کھیلو اے بنی (ارفدہ!) یہ حبشہ کے لوگوں کا لقب تھا پھر جب میں تھک گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”بس!“ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ۔“ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عید کے دن ایسے کرتب دکھائے جائیں تو جائز ہے۔

عید کے دن مباح کھیل کود

((وعن أنس رضي الله عنه: قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة، ولهم يومان يلعبون

فيهما، فقال: قد أبدلكم الله بهما خيرا منهما: يوم الاضحى، ويوم الفطر))

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اہل مدینہ کے دو روز کھیل کود کے لیے مقرر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں (دنوں) کے بدلہ میں ان سے بہتر دن عنایت فرمادیے ہیں۔ ایک عید الاضحیٰ کا دن اور دوسرا عید الفطر کا۔“ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے روز کھیلنا کودنا، اظہار مسرت و فرحت کرنا جائز ہے۔ البتہ مشرکوں اور کافروں کی عیدوں پر خوشی اور مسرت و انبساط کا اظہار کرنا مکروہ ہے یا بقول بعض حرام ہے۔

عید کے دن بیہودگی سے پاک اشعار کہنا

((عن عائشة رضي الله عنها قالت: دخل أبو بكر وعندي جاريتان من جواري

الأنصار تغنيان بما تقاولت الأنصار يوم بعث، قالت: وليستا بمغنيتين - فقال أبو بكر: أمزامير الشيطان في بيت رسول الله ﷺ؟ وذلك في يوم عيد، فقال رسول الله ﷺ: يا أبا بكر! إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گار رہی تھیں جو انصار نے بعث کی جنگ کے

(۱) [بخاری (۹۵۰) کتاب العیدین: باب الحراب والدرق يوم العيد]

(۲) [ابو داؤد (۱۱۳۴) نسائی (۱۷۹/۳) اس کی سند صحیح ہے۔]

موقع پر کہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ گانے والیاں نہیں تھیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں یہ شیطانی باجے اور یہ عید کا دن تھا آخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابو بکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج یہ ہماری عید ہے۔“ (۱)

اس حدیث کی شرح میں مولانا داؤد رازرقمطراز ہیں کہ

”اس حدیث سے معلوم یہ ہوا کہ عید کے دن ایسے گانے میں مضائقہ نہیں کیونکہ یہ دن شرعاً خوشی کا دن ہے پھر اگر چھوٹی لڑکیاں کسی کی تعریف یا کسی کی بہادری کے اشعار خوش آواز سے پڑھیں تو جائز ہے کیونکہ حضرت محمد ﷺ نے اس کی رخصت دی۔ لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ گانے والی جوان عورت نہ ہو اور راگ کا مضمون شرع شریف کے خلاف نہ ہو اور صوفیوں نے جو اس باب میں خرافات اور بدعات نکالی ہیں ان کی حرمت میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے اور نفوس شہوانیہ بہت صوفیوں پر غالب آگئے یہاں تک کہ بہت صوفی دیوانوں اور بچوں کی طرح ناچتے ہیں اور ان کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ جانتے ہیں اور نیک کام سمجھتے ہیں اور یہ بلاشک و شبہ زنادقہ کی علامت ہے اور بے ہودہ لوگوں کا قول ہے۔ واللہ المستعان (تسہیل القاری، پ: ۴/ص: ۳۶۲/۳۹) (۲)

عیدین کے متعلق ایک من گھڑت روایت

((من أحيى ليلة الفطر والأضحى لم يمث قلبه يوم تموت القلوب))
 ”جس شخص نے (عبادت و اذکار کے ذریعے) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات کو زندہ رکھا تو جس دن دلوں کو موت آئے گی اس کا دل نہیں مرے گا۔“ (۳)

(۱) [بخاری (۹۵۲) کتاب العیدین: باب سنة العیدین لاهل الإسلام]

(۲) [شرح بخاری از مولانا داؤد رازرقمطراز (۱۲۳/۲)]

(۳) [الضعيفة (۵۲۰، ۵۲۱) شیخ البانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔]

مسائل قربانی

مسائل قربانی

قربانی کا معنی و مفہوم اور وجہ تسمیہ

لفظ قربانی قربان سے مشتق ہے اور لغوی اعتبار سے قربان سے مراد ”ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے چاہے ذبیحہ ہو یا کچھ اور۔“ (۱)

صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ

((والقربان بالضم: ما يتقرب به إلى الله تعالى))

”اور قربان ’ضمہ کے ساتھ‘ یہ ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل

کیا جائے۔“ (۲)

صاحب المعجم الوسيط فرماتے ہیں کہ

((القربان: كل ما يتقرب به إلى الله عز وجل من ذبيحة وغيرها))

”قربان: ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے خواہ وہ

ذبیحہ ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور۔“ (۳)

بعض علماء نے کہا ہے کہ لفظ قربانی قرب سے مشتق ہے چونکہ اس عمل کے ذریعے قرب الہی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اسی لیے اسے قربانی کا نام دیا گیا ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے قربانی سے مراد اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں وغیرہ میں سے کوئی جانور عید الاضحیٰ کے دن اور ایام تشریق میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے قربان کرنا ہے۔ (۴)

(۱) [مصباح اللغات (ص ۶۶۸/۶)]

(۲) [القاموس المحيط (ص ۱۲۷/۱)]

(۳) [المعجم الوسيط (ص ۷۲۳/۷)]

(۴) [فقه السنة از سید سابق (۳/۱۹۵)]

فرزند ان توحید کی عظیم قربانی

ہر بلند درجہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی بڑی قربانی ضرور موجود ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((إن عظم الحزاء مع عظم البلاء))

”بڑی جزا عظیم آزمائشوں سے گزر کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔“ (۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر اونچا مقام عطا فرمایا کہ انہیں اپنا خلیل بنایا، انبیاء کا جد امجد بنایا، آپ کے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں انبیائے بنی اسرائیل کا ایک طویل سلسلہ جاری فرمایا، آپ کے ہاتھوں سے اپنا گھر بیت اللہ تعمیر کرایا، تمام انبیاء کے سید و امام حضرت محمد ﷺ کو بھی آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے پیدا فرمایا اور جنت میں آپ علیہ السلام کے لیے ایک محل تعمیر کرایا۔ یہ تمام درجات و انعامات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر بیٹھے حاصل نہیں ہوئے بلکہ ان کے پیچھے آزمائشوں اور قربانیوں کا طویل سلسلہ ہے جنہیں آپ علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں حقیقتِ تامہ کی عملی تفسیر و تعبیر بن کر ہر مرتبہ کامل موحد کی طرح خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ہر حکم کی تعمیل میں ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔

آپ علیہ السلام نے غیر اللہ کی عبادت سے انکار کیا، جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پردہ چاک کیا، موروثی روایات کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا، بت پرستوں کے خود ساختہ خداؤں کو توڑ ڈالا، آگ میں گرنے کی نوبت آئی تو بلا تامل چھلانگ لگا دی، وطن چھوڑنا پڑا تو والدین، گھر، جائیداد اور دوسرا مال و متاع سب پاؤں کی ٹھوکر پر رکھ کر دین کی خاطر ہجرت کر گئے، زوجہ محترمہ اور لخت جگر کو بے آب و گیاہ اور لق و دق صحرا میں چھوڑنے کا مرحلہ آیا تو انہیں بھی اللہ

(۱) [ترمذی (۲۳۹۶) کتاب الزہد: باب ما جاء فی الصبر علی البلاء]

کے سہارے چھوڑ آئے۔ بڑھاپے کی عمر میں اللہ سے دعائیں مانگ مانگ کر حاصل ہونے والا نورِ نظر اور آنکھوں کی ٹھنڈک بچہ اسماعیل علیہ السلام بھی اللہ کے حکم پر ذبح کرنا پڑا تو چھری چلاتے ہوئے بوڑھے باپ کے ہاتھ نہ کانپے۔

ہاں یہ ہیں وہ قربانیاں جن کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو عظیم درجات سے نوازا۔ یہاں چونکہ قربانی کے حوالہ سے ذبح کا قصہ مقصود ہے لہذا آئندہ سطور میں بالاختصار یہی بیان کیا جا رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے بڑھاپے کا سہارا ان الفاظ میں طلب فرمایا:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ [الصافات : ۱۰۰]

”اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔“

تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَبَشِّرْ نَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ [الصافات : ۱۰۱]

”تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔“

امام ابن کثیرؒ کے قول کے مطابق اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھبیس

(86) برس تھی۔ (۱)

یہ بچہ جب بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا، دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہو گیا اور بوڑھے والدین کا سہارا بننے کے لائق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہے ہیں۔ اب یہ خواب کسی عام انسان کا نہیں تھا کہ جسے محض پراگندہ اوہام و خیالات تصور کر کے نظر انداز کر دیا جاتا بلکہ اللہ کے ایک برگزیدہ نبی کا خواب تھا اور انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

(۱) [قصص الأنبياء (۱/۱۸۱)]

((رؤيا الأنبياء وحى)) ”انبياء کے خواب وحی ہیں۔“ (۱)

اس لیے آپ ﷺ فوراً بلا جھجک اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تابعداری کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور بیٹے سے کہا:

﴿يٰبُنَيَّ اِنِّى اَرَى فِى الْمَنَامِ اَنِّى اُذْبِحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى﴾

[الصافات: ۱۰۲]

”اے بیٹے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اب تو ہی بتا تیری کیا رائے ہے۔“

جذبہ اطاعت سے سرشار بیٹے نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور غور و فکر کے فوراً جواب دیا:

﴿يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

[الصافات: ۱۰۲]

”ابا جان! جو حکم ہوا ہے اسے بجالائے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“

اللہ کی قسم! یہ جواب والد اور اللہ ذوالجلال کی بے مثال اطاعت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر آج کا کوئی نوجوان ہوتا تو ضرور کہہ دیتا کہ ابا جان! اگر مجھے ذبح ہی کرنا تھا تو پیدا کیوں کیا تھا لیکن اسماعیل علیہ السلام نے کمال جذبہ صبر کا مظاہرہ کیا اور سر تسلیم خم کر دیا پھر ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو کروٹ پر لٹا دیا اور پھر اللہ کا نام لے کر چھری بھی چلا دی۔ لیکن وہ ذبح نہ کر سکی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس جذبہ ایثار و قربانی کے منظر کو دیکھ چکے تھے اور ابراہیم علیہ السلام ایک بار پھر اس عظیم آزمائش میں بھی کامیاب ہو چکے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے جنت سے ایک دنبہ بھیج دیا جسے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ قربان کر دیا گیا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

(۱) [بخاری (۱۳۸/۱) کتاب الوضوء: باب التخفيف فى الوضوء، طبرانی کبیر

(۱۲۳۰۲/۱۲) مجمع الزوائد (۱۷۶/۶)]

﴿فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِن عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ﴾

”غرض جب دونوں مطہ ہو گئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی کے بل گرا دیا۔ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔ اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔“

اس کے بعد اس سنتِ ابراہیمی کو قیامت تک کے لیے قرب الہی کے حصول کا ذریعہ بنا دیا گیا اور عید الاضحیٰ کے دن اسے سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

قربانی سے مقصود محض جانور ذبح کرنا نہیں

شریعت کے وہ چند مسائل جو ہماری توجہ کسی نہ کسی تاریخی واقعہ کی طرف مبذول کرتے ہیں ان میں سے ایک قربانی بھی ہے۔ ایسے مسائل سے مقصود محض انہیں مقررہ وقت پر بالفعل اختیار کر لینا ہی نہیں ہے بلکہ ان تاریخی حوادث پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے اس جذبہ عبادت اور قربانی کی ناقابل فراموش کہنہ و حقیقت کو سمجھ کر اپنانے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے جس کے باعث یہ مسائل ہماری اسلامی روایات میں جزو لاینفک کی حیثیت اختیار کر گئے جیسا کہ حاجیوں کے لیے صفامروہ کی سعی کرنا محض ایک دوڑ نہیں ہے بلکہ اُس تاریخی واقعہ کی غماز ہے جس میں ایک طرف ننھا سا بچہ شدت پیاس کے باعث زمین پر اڑیاں مارتا نظر آتا ہے اور دوسری طرف اماں ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں صفامروہ کی

پہاڑیوں کے چکر لگاتی نظر آتی ہیں کہ جنہیں ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی تمام تر محبتیں قربان کر کے مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔

بعینہ قربانی کا مسئلہ بھی ہے یعنی عید قربان کے دن جانور ذبح کرنا، کچھ گوشت تقسیم کر دینا، کچھ کھا لینا اور پھر خود کو شریعت کے ہر حکم سے آزاد تصور کرنا اور قربانی کے مقصد یا غرض و غایت پر سنجیدگی سے غور و فکر نہ کرنا، کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جانور قربان کرنے کے ساتھ ساتھ ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام کی مثالی اطاعت و فرمانبرداری اور اثر آفریں عقیدت و ارادت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنا کم سن خوبصورت بیٹا بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔

اگرچہ چھری ذبح نہ کر سکی اور پھر حکم الہی کے مطابق مینڈھا ذبح کر دیا گیا لیکن وہ کیا اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی اور کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا جذبہ ہوگا کہ جس کی بدولت وہ اس مشکل ترین عمل سے بھی پیچھے نہ ہٹے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس محبت و اطاعت کا صلہ یوں دیا کہ اس عمل کو تمام مسلمانوں کے لیے مسنون قرار دے کر قیامت تک کے لیے ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام کی سنت کو جاری و ساری کر دیا۔

لاحالہ ہم سے بھی اسلام صرف جانوروں کی قربانی نہیں چاہتا بلکہ اُس جذبہ اطاعت اور خشیت الہی کو بھی اجاگر کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے ہم اپنی ہر چیز بوقت ضرورت اللہ تعالیٰ کی خاطر قربان کر دینے کے لیے تیار ہو جائیں اور یقیناً آج اسلام کو جانوروں کی قربانیوں سے کہیں زیادہ ہماری محبوب ترین اشیاء یعنی مال، اولاد اور جان کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ اس عمل کو محض ایک تہوار اور رسم سمجھتے ہوئے تفاخر اور ریاء و نمود کا ذریعہ ہی نہ بنا ڈالیں کہ جس کے باعث ہمیں دنیا میں تو اسلامی شعائر و روایات اپنانے کا اعزاز مل جائے لیکن ہماری عقبی تباہ و برباد ہو کر رہ جائے بلکہ ہمیں چاہیے کہ اس عمل کے پیچھے

چھپی اُس عظیم قربانی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے ایمانوں کو اس قابل بنائیں جو ہمیں دنیاوی لہو و لعب اور مصنوعی عیش و نشاط سے نکال کر اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر گوشہ رضائے الہی کی خاطر قربان کر دینے کے لیے تیار کر دے۔

چھپلی امتوں کے لیے قربانی کی مشروعیت

قربانی کا حکم صرف اس امت کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ چھپلی امتوں کے لیے بھی قربانی کے عمل کو مشروع قرار دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةٍ الْأَنْعَامِ فَالِهَهُمْ اللَّهُ وَاحِدًا فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ﴾ [الحج : ۳۴]

”اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے، تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجیے۔“

اس آیت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف امت محمدیہ کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر امت کے لیے قربانی و ذبح کے احکام نازل فرمائے ہیں۔

اس امت کے لیے قربانی کی مشروعیت

قربانی ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ دونوں کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں انبیاء کی سنت اپنانے اور اتباع کرنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ [الممتحنة : ۴]

”(مسلمانو!) تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔“

اور دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ [النحل: ۱۲۳]

”پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے یکطرفہ دین کی پیروی کریں۔“
اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱]

”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ (موجود) ہے۔“

اور ایک اور آیت میں فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ [آل عمران: ۳۱]

”کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔“

علاوہ ازیں مزید قربانی کی مشروعیت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحِرْ﴾ [الکوثر: ۲]

”اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔“

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((كان النبي ﷺ يضحى بكبشين وأنا أضحي بكبشين))

”نبی کریم ﷺ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی

کرتا تھا۔“ (۱)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا))

”جس کے پاس وسعت و طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے

(۱) [بخاری (۵۵۵۳) کتاب الأصاحی: باب فی أضحية النبی]

قربیب بھی ہرگز نہ آئے۔“ (۱)

(4) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من كان ذبح قبل الصلاة فليعد))

”جس نے نماز سے پہلے (جانور) ذبح کر لیا وہ دوبارہ قربانی کرے۔“ (۲)

(5) ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((يا أيها الناس! إن على كل أهل بيت في كل عام أضحية))

”اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی (کرنا مشروع) ہے۔“ (۳)

(6) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

”عہد رسالت میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک

بکری قربان کرتا تھا۔“ (۴)

(7) امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ

((أجمع المسلمون على مشروعية الأضحية))

”مسلمانوں نے قربانی کی مشروعیت پر اجماع کیا ہے۔“ (۵)

(۱) [ابن ماجہ (۳۱۲۳) کتاب احمد (۳۲۱/۲)] شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

[صحیح ابن ماجہ (۲۵۳۲)]

(۲) [بخاری (۵۵۴۹) کتاب الأضاحی: باب ما یشتہی من اللحم، مسلم (۱۹۶۲)]

[ابن ماجہ (۳۱۵۱) نسائی (۴۴۰۸)]

(۳) [ابن ماجہ (۳۱۲۵) کتاب الأضاحی: باب] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

[صحیح ابن ماجہ (۲۵۳۳)]

(۴) [ترمذی (۱۵۰۵) کتاب الأضاحی: باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزی عن

أهل بیت، ابن ماجہ (۱۳۴۷)] شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۵) [المغنی (۳۶۰/۱۳)]

قربانی کا حکم

اگرچہ اس کے حکم میں اختلاف ہے اور بعض علماء نے صاحب استطاعت شخص کے لیے اسے واجب بھی قرار دیا ہے لیکن راجح و برحق بات یہ ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور یہ مؤقف محض راقم کا ہی نہیں بلکہ درج ذیل کبار علماء بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ:

((ہی سنة و معروف))

”یہ سنت ہے اور یہ امر مشہور ہے۔“ (۱)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

((و العمل علی هذا عند أهل العلم أن الأضحیة لیست بواجبة ولكنها سنة من سنن رسول الله ﷺ يستحب أن يعمل بها وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک))

”اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اسی پر عمل کرنا مستحب ہے اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔“ (۲)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

”قربانی سنت مؤکدہ ہے اور جمہور بھی اسی کے قائل ہیں۔“ (۳)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

((لا یصح عن أحد من الصحابة أنها واجبة و صح أنها غیر واجبة عن

الجمهور ولا خلاف فی كونها من شرائع الدین))

(۱) [بخاری قبل الحدیث (۵۵۴۵)]

(۲) [سنن ترمذی (بعد الحدیث ۱۵۰۶)]

(۳) [السیل الحرار (۳/۶۶۸)]

”کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ قربانی واجب ہے جبکہ جمہور علماء سے ثابت ہے کہ یہ واجب نہیں ہے اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ (قربانی) دین کے احکامات میں سے ہے۔“ (۱)

شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ:

((الأضحیة سنة مؤكدة في أصح قولی أهل العلم وتؤكد علی من عنده سعة من المال لأنها من أكد أنواع العبادات المشروعة يوم عيد الأضحى وأيام التشريق وقد داوم عليها النبي ﷺ في المدينة فكان يضحى كل سنة بكبشين أملحين أقرنين كما ثبت ذلك في الصحيحين من حديث أنس رضي الله عنه))

”اہل علم کے دو (مختلف) اقوال میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور مالی وسعت والے شخص پر زیادہ تاکید والی ہے کیونکہ یہ عید الاضحیٰ کے دن اور ایام تشریق میں مشروع عبادات کی اقسام میں سے سب سے زیادہ مؤکدہ ہے اور بے شک مدینہ میں نبی ﷺ نے اس پر مداومت اختیار فرمائی۔ آپ ﷺ ہر سال دو چتکبرے، سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔“ (۲)

امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

”اکثر اہل علم قربانی کو واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہی خیال کرتے ہیں۔“ (۳)

وہ صورتیں جن میں قربانی واجب ہو جاتی ہے

مندرجہ ذیل صورتوں میں قربانی واجب ہو جاتی ہے:

(۱) [المحلی (۳۵۸/۷)]

(۲) [فتاویٰ اسلامیة (۳۱۶/۲)]

(۳) [المعنی (۳۶۰/۱۳)]

(1) اگر کوئی شخص نذر کے ذریعے اپنے اوپر قربانی واجب کر لے تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے کہ

﴿يُؤْفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ [الإنسان : ۷] ”وہ نذر پوری کرتے ہیں۔“

اور ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عائشة رضى الله عن النبي ﷺ قال : من نذر أن يطيع الله فليطعه))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جس نے اللہ تعالیٰ کی

اطاعت و فرمانبرداری کی نذر مانی وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کرے)۔“ (۱)

(2) کسی جانور کے متعلق اگر یہ نیت کر لی جائے کہ یہ اللہ کے لیے ہے یا یہ صرف قربانی کے

لیے ہے تو پھر اسے اللہ کے لیے قربان کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ وقف ہو چکا ہے

اور وقف چیز کا حکم یہ ہے کہ نہ تو اسے فروخت کیا جاسکتا ہے نہ اسے ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی

اسے وراثت میں تقسیم کیا جاسکتا ہے بلکہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی صرف کیا جائے گا

جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔ (۲)

(3) اگر کوئی شخص حالت احرام میں شکار کو قتل کر بیٹھا تو اس پر فدیہ کے طور پر قربانی لازم ہو

جائے گی جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمَّداً

فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ﴾ [المائدة : ۹۵]

”اے ایمان والو! شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حرام میں ہو اور جو شخص تم میں

سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور

کے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔“

(۱) [بخاری (۶۶۹۶) کتاب الأیمان والنذور : باب [ثم من لا يفى بالنذر]

(۲) [مسلم (۴۲۲۴) کتاب الوصیة : باب الوقف]

(4) حج تمتع یا حج قرآن کرنے والوں کے لیے بھی قربانی کرنا واجب ہے۔ (۱)

قربانی کے حکم سے متعلقہ چند ضعیف روایات

(1) ایک روایت میں ہے کہ

((أن رجلا سأل ابن عمر عن الأضحية أواجبة هي؟ فقال ضحى رسول الله
والمسلمون فأعادها عليه فقال: أتعقل؟ ضحى رسول الله ﷺ والمسلمون))

”ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قربانی کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ واجب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے پھر اس نے دوبارہ آپ سے وہی سوال کیا تو آپ نے کہا ”کیا تم سمجھ رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔“ (۲)

(2) ((عن زيد بن أرقم رضي الله عنه قال قلنا يا رسول الله ماهذه الأضاحي؟ قال:
سنة أبيكم إبراهيم))

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔“ (۳)

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فقہ الحدیث از راقم اور مناسک حج للألبانی]

(۲) [ترمذی (۱۵۰۶) کتاب الأضاحی: باب الدلیل علی أن الأضحية سنة، شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ضعیف ترمذی (۲۶۰)]

(۳) [ضعیف ابن ماجہ (۶۷۲) کتاب الأضاحی: باب ثواب الأضحية، المشكاة (۱۴۷۶) ابن ماجہ (۳۱۲۷) شیخ مبشر ربانی حفظہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں عائد اللہ المجاشعی ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا کہ (لا یصح حدیثہ) ”اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔“ امام ابو حاتم نے کہا: (هو متروك الحدیث)۔ [تنقیح الرواة (۲۸۰)] حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: ضعیف (یعنی یہ راوی ضعیف ہے)۔ [تقریب التہذیب: ۱۶۲] دوسرا راوی نفع بن الحارث ابوداؤد میں ہے۔ اس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: (هو متروك) ”وہ متروک ہے۔“ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(3) اور جس روایت میں یہ لفظ ہیں

((أقام رسول الله ﷺ بالمدينة عشر سنين يضحى))

”رسول اللہ مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور قربانی کرتے رہے۔“ وہ بھی

ضعیف ہے۔ (۱)

جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتا وہ کیا کرے؟

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور تقرب الہی کا ذریعہ ہے اس لیے جو قربانی کر سکتا ہے اسے ضرور قربانی کرنی چاہیے لیکن اگر کوئی اس کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو تو یقیناً اسے قربانی نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تو سنت ہے اور اگر انسان طاقت نہ ہونے کی وجہ سے فرض زکاۃ بھی ادا نہ کرے یا فرض حج بھی نہ کرے تب بھی اس پر بالاتفاق کوئی گناہ نہیں۔ ہاں ایسا شخص اگر قربانی کا اجر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ عید کے روز اپنے بال اور ناخن تراش لے، مونچھیں کاٹ لے اور زیر ناف مونڈھ لے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما أن النبي ﷺ قال أمرت بيوم

الأضحى عبدا جعله الله لهذه الأمة قال الرجل أ رأيت إن لم أجد إلا منيحة أنثى أفأضحى بها؟ قال: لا، ولكن تأخذ من شعرك وأظفارك وتقص شاربك

(گذشتہ سے پیوستہ) [تنقيح الرواة (۲۸۰/۱)] امام بیہقی نے مجمع الزوائد میں فرمایا: (هو متروك واتهم بوضع الحديث) ”وہ متروک ہے اور اسے حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی گئی ہے۔“ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: (متروك وقد كذبه ابن معين) ”وہ متروک ہے اور امام ابن معین نے اسے کذاب کہا ہے۔“ [تقریب التہذیب: ۳۵۹] معلوم ہوا کہ نفع بن الحارث متروک الحدیث اور جھوٹا راوی ہے۔ اس کے علاوہ سلام بن مسکین عائد اللہ سے روایت کرنے میں منفر د بھی ہے۔ [تنقيح الرواة (۲۸۰/۱)]

(۱) [ترمذی (۱۵۰۷) کتاب الأضاحی: باب الدلیل علی أن الأضحية سنة، شیخ البانی

نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ضعیف ترمذی (۲۶۱)]

وتحلق عانتك فتلک تمام أضحيتك عند الله))

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے یوم الاضحیٰ کو عید کا حکم دیا گیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مقرر فرمایا ہے ایک آدمی نے عرض کیا آپ مجھے بتلائیں کہ اگر میں قربانی کے لیے مونٹ دودھ دینے والی بکری کے سوانہ پاؤں تو کیا اس کی قربانی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم اپنے بال اور ناخن تراش لینا اور اپنی موچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونٹ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تیری مکمل قربانی ہو جائے گی۔“ (۱)

قربانی کی فضیلت

قربانی کی فضیلت میں مندرجہ ذیل روایت پیش کی جاتی ہے۔

((مَاعَمَلَ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ النُّحْرِ عَمَلًا أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ بَرِّقَةِ لَوْنٍ، إِنَّهَا سَيُومُ الْقِيَامَةِ بَقَرُونَهَا وَأَطْلَافَهَا وَأَشْعَارَهَا وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ بَسْكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ فَطَيَّبُوا بِهَا نَفْسًا))

”دس ذوالحجہ کو خون بہانے سے بڑھ کر ابن آدم اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بہتر عمل نہیں کرتا یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئیں گے اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں اس کا ایک مقام ہوتا ہے سو تم یہ قربانی خوش دلی سے دیا کرو۔“

لیکن یہ روایت ثابت نہیں جیسا کہ شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (۲) تاہم قربانی کی سنت پر عمل کا جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے وہ بہر حال قربانی کرنے والے کو ضرور ملے گا کیونکہ قربانی عبادت اور نیک عمل ہے اور ہر نیکی کے متعلق

(۱) [ابو داؤد (۲۷۸۹) کتاب الضحایا: باب ماجاء فی إیحاب الأضحیٰ، نسائی

(۴۳۷۷) ابن حبان (۱۰۴۳) حاکم (۲۲۳/۴) یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔]

(۲) [ترمذی (۱۴۹۳) کتاب الأضحیٰ: باب ماجاء فی فضل الأضحیٰ، ابن ماجہ

(۳۱۲۶) شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ضعیف ترمذی (۲۵۳)]

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ [الأنعام: ۱۶۰] ”جو شخص (کوئی)

نیک کام کرے گا اسے اس کے دس گنا (اجر) ملے گا۔“

حافظ عبدالمنان نور پوری کا فتویٰ:

کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے لکھا ہے کہ قربانی کی فضیلت کی تمام احادیث ضعیف ہیں یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس دن خون کا بہانا اور نبی اکرم ﷺ کا ہر سال قربانی کرنا کس زمرہ میں جائے گا اس کا کیا ثواب ہوگا؟ کیا اجر ہوگا؟

تو انہوں نے جواب میں کہا ”آپ نے لکھا ہے قربانی کی فضیلت کی تمام احادیث ضعیف ہیں یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس دن خون بہانا اور نبی اکرم ﷺ کا ہر سال قربانی کرنا کس زمرہ میں جائے گا اس کا کیا ثواب ہوگا؟ کیا اجر ہوگا؟

تو محترم توجہ فرمائیں قربانی کی فضیلت والی احادیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قربانی بے اجر و ثواب کام ہو گیا ہے قربانی کا اجر و ثواب تو اپنی جگہ محقق و ثابت شدہ امر ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں حدیث میں ہے کہ

((الحسنة بعشرة أمثالها إلى سبعمائة ضعف))

”نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو تک ہے۔“ (۱)

ہاں فضیلت قربانی والی احادیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ جو فضیلت

ان میں بیان ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ (۲)

قربانی صرف رضائے الہی کے لیے کرنی چاہیے

چونکہ قربانی عبادت ہے اور کوئی بھی عبادت اس وقت تک باعث اجر نہیں ہوتی جب

(۱) [تفسیر ابن کثیر المجلد الثانی پ ۸ ص ۲۶۳ - ۲۶۴]

(۲) [احکام و مسائل (۱/۴۳۸)]

تک کہ خالصتاً اللہ کے لیے نہ کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

﴿وَمَا أُمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [البینة: ۵]

”انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے لیے دین کو خالص کریں۔“

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إنما الأعمال بالنیات))

”عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔“ (۱)

علاوہ ازیں قربانی کے متعلق بالخصوص ایک آیت میں یہ الفاظ موجود ہیں:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

[الأنعام: ۱۶۲]

”کہہ دیجیے! بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین

کے لیے ہے۔“

قربانی نہ تو غیر اللہ کے لیے جائز ہے اور نہ ہی ایسی جگہ پر درست ہے جہاں غیر اللہ کی

عبادت ہوتی ہو نیز ایسی قربانی بھی حلال نہیں جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لعن الله من لعن والده، ولعن الله من ذبح لغير الله، ولعن الله من

آوى محدثا، ولعن الله من غير منار الأرض))

”اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے اپنے والد پر لعنت کی اللہ تعالیٰ ایسے

شخص پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا، اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے

جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے زمین کی علامات

(۱) [بخاری (۱) کتاب بدء الوحی]

تبدیل کر دیں۔“ (۱)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ تمام اعمال کی طرح قربانی بھی صرف رضائے الہی کے لیے خالص نیت کے ساتھ کرنی چاہیے اس میں ریاء و نمود کی آمیزش یقیناً قربانی کرنے والے کے اجر و ثواب کو ضائع کر دیتی ہے اور اللہ کی لعنت کا مستحق بنا دیتی ہے۔

شرائط قربانی

(۱) خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو جیسا کہ پیچھے دلائل نقل کر دیے گئے ہیں۔

(۲) پاکیزہ مال سے ہو حرام مال سے نہ ہو۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا))

”اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیزیں ہی قبول کرتا ہے۔“

(۳) سنت کے مطابق ہو جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ”پہلے قربانی کر لے تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ اس ہفتے میں آئندہ صفحات میں آئے گا۔“

(۴) قربانی ایسے جانوروں کی نہ ہو جن جانوروں کی قربانی قبول نہیں ہوتی۔ اس کا بھی تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کن کی قربانی قبول فرماتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی قربانی قبول فرماتے ہیں جیسا کہ یہی بات واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا تذکرہ فرمایا ہے:

﴿وَأَسْلُ عَلَيْهِمْ نَبَا ابْنِي آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبَلُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ [المائدة: ۲۷]

(۱) [مسلم (۱۴۱)]

(۲) [مسلم (۲۳۴۶) کتاب الزکاة: باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها]

”آدم ﷺ کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دواں دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا میں تجھے مار ہی ڈالوں گا، اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔“

یہ نذر یا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں البتہ مشہور یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت آدم و حوا کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی، دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوتی، ایک حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کر دیا جاتا۔ ہائیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بد صورت تھی، جبکہ قاتیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن خوب صورت تھی، اس وقت کے اصول کے مطابق ہائیل کا نکاح قاتیل کی بہن کے ساتھ اور قاتیل کا نکاح ہائیل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا لیکن قاتیل چاہتا تھا کہ وہ ہائیل کی بہن کی بجائے اپنی ہی بہن کے ساتھ جو خوب صورت تھی، نکاح کرے، حضرت آدم ﷺ نے اسے سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا بالآخر حضرت آدم ﷺ نے دونوں کو بارگاہ الہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی قاتیل کی بہن کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہائیل کی قربانی قبول ہوگئی یعنی آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی، ہائیل نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی اور قاتیل نے گندم کی بالی کی قربانی پیش کی، ہائیل کی قربانی قبول ہونے پر قاتیل حسد کا شکار ہو گیا۔ (۱)

ایک اور آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف دلوں کا تقویٰ ہی پہنچتا ہے قربانیوں کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) [تفسیر أحسن البیان (ص ۲۹۷)]

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَائُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾ [الحج: ۲۲]

”اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل

کی پرہیزگاری و تقویٰ پہنچتا ہے۔“

حدیث نبوی ہے کہ

((عن أبي هريرة رضي الله عنه: قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله لا ينظر إلى

صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ

تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتے لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے

اعمال کی طرف دیکھتے ہیں۔“ (۱)

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

ایسے جانوروں کی قربانی کی جائے جن پر ”بھیمة الأنعام“ کا لفظ بولا جاتا ہے جیسا

کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ

الْأَنْعَامِ فَالْهُكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ﴾ [الحج: ۳۴]

”اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان

چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ سمجھ لو کہ تم سب کا

معبود برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ۔ عاجزی کرنے والوں کو

خوش خبری سنا دیجیے۔“

”بھیمة“ ایسے جانوروں کو کہتے ہیں جو چار ٹانگوں والے ہوں خواہ پانی میں ہی ہوں

(۱) مسلم (۶۵۴۳) کتاب بئر و الصلۃ والأدب: باب تحریم ظلم المسلم وخذله

واحتقارہ ودمہ وعرضہ ومالہ]

جیسا کہ صاحب قاموس نے اس کی یہی وضاحت کی ہے۔ (۱)

اور ”انعام“ میں چار قسم کے زراور مادہ جانور شامل ہیں:

(1) اونٹ (2) گائے (3) بھیڑ (4) بکری (۲)

علاوہ ازیں مذکورہ مویشیوں میں ہر ایک کا منہ (یعنی دوندا) ہونا بھی ضروری ہے ہاں اگر کوئی مجبوری ہو یا ایسا جانور میسر نہ ہو تو بھیڑ کا کھیرا بھی کفایت کر جاتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((لا تذبحوا إلا المسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن))

”منہ ہی ذبح کرو والا کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کر لو۔“ (۳)

یاد رہے کہ بھیڑ کے کھیرے کی اجازت کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہر حال میں اس کی قربانی جائز ہے جیسا کہ آج کل بعض مقامات پر قربانی کا جانور بیچنے والے یہی کہہ کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کھیرے کی قربانی بھی جائز ہے حالانکہ اس کی قربانی صرف ایک خاص صورت (یعنی مجبوری و تنگ دستی) میں ہی جائز قرار دی گئی ہے اگر یہ صورت نہ ہو تو منہ کے علاوہ کوئی جانور بھی کفایت نہیں کرے گا۔

منہ (یعنی دوندا) ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت گر چکے ہوں۔ امام

نووی فرماتے ہیں کہ

((المسنة هي الشنية من كل شيء من الابل والبقر والغنم فما فوقها))

وہذا تصريح بأنه لا يجوز الجذع من غير الضأن في حال من الأحوال))

”منہ اونٹ گائے اور بکری وغیرہ میں سے دوندے کو کہتے ہیں اور یہ واضح ہے کہ

(۱) [القاموس المحيط (بہم)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر فتح القدیر (۲/۲۱۰) تفسیر ابن کثیر

(۱۰۰/۳)]

(۳) [مسلم (۱۱۷)]

بھیڑ کے علاوہ کسی حالت میں کھیرا قربان کرنا جائز نہیں۔“ (۱)

امام شوکانی رقمطراز ہیں کہ اہل علم فرماتے ہیں:

((المسننة هي الثانية من كل شيء من الابل والبقر والغنم فما فوقها))

”دو دانت یا اس سے بڑا جانور منہ ہے خواہ وہ اونٹ اونٹنی ہو، خواہ گائے نیل ہو، اور خواہ

بھیڑ مینڈھا، بکری بکرا وغیرہ ہو۔“ (۲)

نیز واضح رہے کہ اونٹوں میں دو نوا عمر کے پانچویں سال میں ہوتا ہے، گائے میں دو نوا

عمر کے تیسرے سال میں ہوتا ہے، اور بکری میں دو نوا عمر کے دوسرے سال میں ہوتا ہے، اور

کھیرا (جدعہ) بھیڑ کا وہ بچہ ہوتا ہے جو ایک سال کا ہو اور دو نوا نہ ہو۔ لہذا اونٹ، گائے اور

بکری میں دو نوا سے کم عمر والے جانور کی قربانی جائز نہیں البتہ دینے میں (کسی مجبوری کے

وقت) دو نوا سے کم عمر کے جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((انكفأ رسول الله ﷺ إلى كبشين أقرنين أملحين فذبحهما بيده))

”رسول اللہ ﷺ سینگ والے دو چستکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے

اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔“ (۳)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((كان رسول الله ﷺ يضحي بكبش أقرن فحيل ينظر في سواد وياكل

في سواد ويمشي في سواد))

(۱) [شرح مسلم للنووي (۹۹/۱۳)]

(۲) [نیل الأوطار (۲۰۲/۵)]

(۳) [بخاری (۵۵۵۴) كتاب الأضاحي: باب في أضحية النبي]

”رسول اللہ ﷺ سینگ والا موٹا تازہ مینڈھا ذبح کرتے جس کی آنکھیں منہ اور

ٹانگیں سیاہ ہوتیں۔“ (۱)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((أن النبي ﷺ نحر سبع بدنا ت بيده قياما وضحي بالمدينة بكبشين

أقرنين أملحين))

”نبی ﷺ نے کھڑے کھڑے سات اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور مدینہ میں دو

سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے۔“ (۲)

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

((وأفضلها أسمنها))

”اور افضل قربانی وہ ہے جو زیادہ موٹی تازی ہو۔“ (۳)

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں کہ

((و الهدى أفضله البدنة ثم البقرة ثم الشاة))

”سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے پھر گائے کی اور پھر بکری کی۔“ (۴)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وأفضل الأضاحى البدنة ثم البقرة ثم الشاة ثم شرك فى بدنة ثم

(۱) [ابو داود (۲۷۹۶) كتاب الضحايا: باب ما يستحب من الضحايا، ترمذی

(۱۴۹۶) ابن ماجه (۳۱۲۸) نسائی (۲۲۱/۷) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا

ہے۔ [صحیح ابو داود (۲۴۲۶)]

(۲) [ابو داود (۲۷۹۳) كتاب الضحايا: باب ما يستحب من الضحايا، شیخ البانیؒ نے اس

حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۲۴۲۴)]

(۳) [الدرر البهية: كتاب الأضحية]

(۴) [الدرر البهية: كتاب الحج]

(شرك في بقرة))

”قربانیوں میں افضل اونٹ ہے پھر گائے ہے پھر بکری ہے پھر اونٹ میں شریک ہونا ہے اور پھر گائے میں شریک ہونا ہے۔“ (۱)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((أفضل الأضاحى البدنة ثم البقرة ثم الشاة ثم شرك في بدنة ناقة أو بقرة لقوله ﷺ في الجمعة: ”من راح في الساعة الأولى فكأنما قرب بدنة ومن راح في الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة“ ومن راح في الساعة الثالثة فكأنما قرب كبشا أقرن ومن راح في الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة ومن راح في الساعة الخامسة فكأنما قرب بيضة“ ووجه الدلالة من ذلك وجود المفاضلة في التقرب إلى الله بين الإبل والبقر والغنم ولا شك أن الأضحية من أعظم القرب إلى الله تعالى والبدنة أكثر ثمنا ولحما ونفعا وبهذا قال الأئمة الثلاثة ابو حنيفة والشافعي وأحمد وقال مالك الأفضل الجذع من الضان ثم البقرة ثم البدنة لأن النبي ﷺ ضحى بكشين وهو ﷺ لا يفعل إلا الأفضل والجواب عن ذلك أن يقال أنه ﷺ قد يختار غير الأولى رفقا بالأمة لأنهم يتأسون به ولا يحب ﷺ أن يشق عليهم وقد بين فضل البدنة على البقر والغنم كما سبق - والله أعلم))

”قربانیوں میں افضل اونٹ، پھر گائے پھر بکری اور پھر اونٹنی یا گائے کی قربانی میں شرکت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جمعہ کے متعلق فرمایا ”جو پہلی گھڑی میں (مسجد میں) گیا گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی اور جو دوسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے گائے کی قربانی کی اور جو تیسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی اور

(۱) [المعنى (۳۶۶/۱۳)]

جو چوتھی گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے ایک مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے ایک انڈہ قربان کیا۔“

اس حدیث میں محل شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب میں اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت کا وجود ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اونٹ قیمت، گوشت اور نفع کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالک نے فرمایا ہے کہ (قربانی میں) افضل بھیڑ کا کھیرا ہے پھر گائے اور پھر اونٹ ہے کیونکہ (حدیث میں ہے کہ) نبی ﷺ نے دو مینڈھے قربان کیے اور آپ ﷺ صرف افضل کام ہی کیا کرتے تھے۔

اس کے جواب میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ بعض اوقات غیر افضل کام کو بھی امت پر زمی کرنے کی غرض سے اختیار فرمایا کرتے تھے کیونکہ وہ (صحابہ) آپ ﷺ کی اقتدا کرتے تھے اور آپ ﷺ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان پر مشقت ڈالیں لیکن آپ ﷺ نے اونٹ کی گائے اور بھیڑ بکریوں پر فضیلت بیان کر دی ہے جیسا کہ ابھی پیچھے گزرا ہے۔ (واللہ اعلم) (۱)

قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا کرنا

امام بخاری رقمطراز ہیں کہ

((وقال يحيى بن سعيد سمعت أبا أمامة بن سهل رضي الله عنه قال: كنا نسمن

لأضحية بالمدينة وكان المسلمون يسمنون))

”یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے حضرت ابو امامہ بن سهل رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ہم مدینہ میں قربانی کو موٹا تازہ کرتے تھے اور مسلمان بھی (قربانی کے جانوروں کو)

(۱) [فتاویٰ اسلامیہ (۲/۳۲۰)]

موٹا کرتے تھے۔“ (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں کو کھلا پلا کر موٹا اور صحت مند بنانا مستحب عمل ہے۔

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وَيَسُنُّ اسْتِسْمَانَ الْأَضْحِيَّةِ وَاسْتِحْسَانَهَا لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج: ۳۲] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَعْظِيمُهَا اسْتِسْمَانُهَا وَاسْتِحْسَانُهَا وَاسْتِعْظَامُهَا لِأَنَّ ذَلِكَ أَعْظَمُ لِأَجْرِهَا وَأَكْثَرُ لِنَفْعِهَا))

”قربانی (کے جانور) کا موٹا ہونا اور عمدہ ہونا مسنون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”یہ سن لیا اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو تعظیم کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی تعظیم اس کا موٹا ہونا، عمدہ ہونا اور اس کا احترام کرنا ہے، کیونکہ یہ بڑے اجر اور زیادہ فائدے کا باعث ہے۔“ (۲)

خصی جانور کی قربانی

خصی جانور کی قربانی جائز ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَضْحِيَ اشْتَرَى كَبْشِينَ عَظِيمِينَ سَمِينِينَ أَقْرَنِينَ أَمْلَحِينَ مَوْجُؤَيْنَ))

”رسول اللہ ﷺ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے بڑے موٹے تازے

سینگ والے، چتکبرے خصی مینڈھے خرید لاتے۔“ (۳)

(۱) [بخاری (قبل الحدیث/۵۵۵۳)]

(۲) [المغنی (۳۶۷/۱۳)]

(۳) [ابن ماجہ (۳۱۲۲) کتاب الأضاحی: باب أضاحی رسول اللہ، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجہ (۲۵۳۱)]

(2) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ

((ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موحئین))

”نبی ﷺ نے قربانی کے دن سینگ والے دو چتکبرے خصی مینڈھے ذبح کیے۔“ (۱)

امام ابو قتادہؓ کا فتویٰ:

((يجزى النخسى لأن النبی ﷺ ضحى بكبشین موحئین))

”خصی جانور (قربانی میں) کفایت کر جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے دو خصی مینڈھے

ذبح کیے۔“ (۲)

سید سابقؒ کا فتویٰ:

((ولا باس بالأضحیة بالخصی))

”خصی جانور کی قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“ (۳)

بھینس کی قربانی

شریعت نے ایسے جانور بطور قربانی ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جن پر بھیمۃ الأنعام کا لفظ بولا جاسکتا ہو اور وہ جانور صرف اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری ہیں جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے اس لیے صرف انہی جانوروں کی قربانی کرنی چاہیے اور بھینس کی قربانی سے اجتناب ہی بہتر ہے بالخصوص اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی بھینس کی قربانی ثابت نہیں۔

حافظ عبد المنان نور پوری کا فتویٰ:

جولوگ بھینس کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں ان کے ہاں دلیل بس یہی ہے کہ لفظ

(۱) [ابو داؤد (۲۷۹۵) کتاب الضحایا: باب ما يستحب من الضحایا، شیخ البانیؒ نے اس

حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داؤد (۵۹۷)]

(۲) [المغنی (۳۷۱/۱۳)]

(۳) [فقہ السنۃ (۱۹۶/۳)]

بقر اس کو بھی شامل ہے یا پھر اس کو بقر پر قیاس کرتے ہیں اور معلوم ہے کہ گائے کی قربانی رسول اللہ ﷺ کے قول، عمل اور تقریر سے ثابت ہے لہذا گائے کی قربانی کی جائے جو رسول اللہ ﷺ سے تینوں طریقوں سے ثابت ہے۔ (واللہ اعلم) (۱)

مبشر احمد ربانی کا فتویٰ:

قربانی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ.....﴾ [الحج: ۳۴] ”اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کی جگہ مقرر کی تھی تاکہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے ان کو مویشی چوپایوں میں سے دیئے تھے ان پر اللہ کا نام ذکر کریں۔“

اس آیت کریمہ میں قربانی کے جانوروں کے لیے ”بہیمۃ الأنعام“ کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں اور انعام سے مراد یہاں پراونٹ گائے اور بھیڑ بکری ہیں جن کی تشریح قرآن پاک کی دوسری آیت کریمہ سے ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَبْغُوا خُطُوبَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ ثَمْنِيَةَ أَرْوَاحٍ مِنَ الصَّانِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْرِ اثْنَيْنِ قُلْ أَلَّذَكَرِينَ حَرَّمَ أَمْ الْأُنثَيْنِ أَمَْا اسْتَمَلَّتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيْنِ نَبُوْنِي يَعْلَمُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَمِنَ الْأَبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام: ۱۴۳ - ۱۴۵]

”اور اس نے چوپایوں میں سے بار برداری والے پیدا کیے اور فرشی چوپائے بھی، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا اس میں سے کھاؤ، شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ چوپائے آٹھ قسم کے ہیں: بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو۔ کہہ دیجیے کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نحر حرام کیے یا دونوں مادہ یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں؟ تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر تم سچے ہو اور

اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انعام کا اطلاق اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری پر ہوتا ہے امام قرطبیؒ ”من بهيمة الأنعام“ کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

((والأنعام هنا الابل والبقر والغنم وبهيمة الأنعام هي الأنعام فهو كقولك

صلاة الاولى ومسجد الجامع))

”انعام سے مراد یہاں اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہے اور ”بهيمة الانعام“ سے

مراد انعام ہی ہے یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہتے ہیں ”صلاة الاولى اور مسجد الجامع۔“ (۱)

نواب صدیق حسن خان رقمطراز ہیں کہ

”انعام کی قید اس لیے لگائی گئی کہ قربانی انعام کے سوا اور کسی جانور کی درست نہیں

اگرچہ اس کا کھانا حلال ہی ہو۔“ (۲)

مزید فرماتے ہیں کہ

”بهيمة الانعام“ سے اونٹ، گائے اور بکری مراد ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ

الانعام میں مفصل بیان فرمایا۔“ (۳)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

((وفيه إشارة إلى أن قربان لا يكون إلا من الأنعام دون غيرها))

”اس میں اشارہ ہے کہ انعام کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی نہیں ہوتی۔“ (۴)

انعام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

((وهي الابل والبقر والغنم))

(۱) [تفسیر قرطبی ۳۰/۱۲]

(۲) [ترجمان القرآن (ص ۷۴۱/۷۴۱)]

(۳) [ترجمان القرآن (۷۲۷)]

(۴) [فتح القدیر (۳/۴۵۲)]

”اور وہ اونٹ‘ گائے اور بھیڑ بکری ہیں۔“ (۱)

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ”بھیمة الانعام“ سے مراد اونٹ‘ گائے اور بھیڑ بکری ہیں اور انہی کی قربانی کرنی چاہیے۔ بھینس ان چار قسم کے چوپایوں میں سے نہیں۔ علامہ سید سابق فرماتے ہیں کہ

((ولا تكون إلا من الابل والبقر والغنم ولا يحزئ من غيرها هذه الثلاثة

يقول الله سبحانه ”لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ“))

”قربانی اونٹ‘ گائے اور بھیڑ بکری کے علاوہ جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وہ یاد کریں اللہ تعالیٰ کا نام اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں موسیٰ چوپایوں میں سے عطا کیا۔“ (۲)

یہی موقف حافظ عبد اللہ محدث روپڑی نے فتاویٰ الہمدیث [۴۲۶/۲] میں اختیار کیا ہے فرماتے ہیں بعض نے جو یہ لکھا ہے ((الجاموس نوع من البقر)) یعنی بھینس گائے کی قسم ہے یہ بھی اسی زکاة کے لحاظ سے صحیح ہو سکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ بھینس دوسری جنس ہے۔ احناف کے ہاں بھینس کی قربانی کی جاسکتی ہے اور یہ بقر میں داخل ہے۔ ہدایہ کتاب الاضحیہ [۳۵۹/۴] بیروت میں ہے۔

((ويدخل في البقر الجاموس لأنه من جنسه))

”گائے میں بھینس داخل ہے اس لیے کہ یہ گائے کی جنس سے ہے۔“

فتاویٰ ثنائیہ [۸۱۰/۱] میں لکھا ہے جہاز میں بھینس کا وجود ہی نہ تھا پس اس کی قربانی نہ سنت رسول ﷺ سے ثابت ہوتی ہے نہ تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہاں اگر اس کو جنس بقر سے مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کا قیاس ہے (کمانی الہدایۃ) یا عموم ((بھیمة الانعام)) پر نظر ڈالی

(۱) [فتح القدیر (۴۵۱/۳)]

(۲) [فقہ السنۃ (۲۶۴/۳)]

جائے تو حکم جواز قربانی کے لیے یہ علت کافی ہے از مولانا ابوالعلاء نظر احمد کسوانی، آئمہ اسلام کے ہاں جاموس (بھینس) کا جنس بقر سے ہونا مختلف فیہ ہے۔

مینی براحتیاط اور راجح یہی موقف ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے بلکہ مسنون قربانی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری سے کی جائے جب یہ جانور موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے مشتتہ امور سے اجتناب ہی کرنا چاہیے اور دیگر بحث و مباحثے سے بچنا ہی اولیٰ و بہتر ہے۔

کن جانوروں کی قربانی جائز نہیں؟

(1) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((أربع لا تجوز فی الأضاحی : العوراء بین عورها والمريضة بین

مرضها والعرجاء بین ظلعتها والكسير التي لا تنقى))

”چار جانور قربانی میں جائز نہیں: واضح طور پر آنکھ کا کانا، ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایسا کمزور جس میں چربی نہ ہو۔“ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أمرنا رسول الله ﷺ أن نستشرف العين والأذن))

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھیں۔“ (۲)

ان احادیث میں جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں اگر کسی جانور میں وہ موجود ہوں تو اس

کی قربانی ناجائز ہوگی۔

(۱) [ابو داؤد (۲۸۰۲) کتاب الضحایا: باب ما بکره من الضحایا، نسائی (۲۱۴۱۷)

ترمذی (۱۴۹۷) ابن ماجہ (۳۱۴۴) مؤطا (۴۸۲/۲) دارمی (۷۷-۷۶/۲) احمد

(۳۰۱/۴) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۲۴۳۱)]

(۲) [ابو داؤد (۲۷۰۴) کتاب الضحایا: باب ما یکره من الضحایا، ترمذی (۱۴۹۸)

نسائی (۲۱۶/۷) ابن ماجہ (۳۱۴۲) دارمی (۷۷/۲) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا

ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۵۳۹/۲) إرواء الغلیل (۱۱۴۹)]

بیمار جانور کی قربانی

ایسی معمولی بیماری جو غیر واضح ہو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر کسی جانور کی بیماری واضح ہو تو اسے بطور قربانی ذبح کرنا جائز نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار قسم کے جانوروں کی قربانی سے منع فرمایا اور ان میں ایک یہ بھی ہے:

((والمريضة التي بين مرضها))

”ایسا بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو۔“ (۱)

حاملہ جانور کی قربانی

حاملہ جانور کی قربانی جائز و درست ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس پر شاہد ہے:

((عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: سألت رسول الله ﷺ عن الحنين فقال: كلوه إن شئتم وقال مسدد قلنا يا رسول الله ننحر الناقة ونذبح البقرة والشاة فنجد في بطنها الحنين أنلقه أم ناكله؟ قال: كلوه إن شئتم فإن ذكاته ذكاة أمه))

”حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پیٹ کے بچے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تم چاہو تو اسے کھا لو“ اور مسدد کہتے ہیں کہ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم اونٹنی گائے اور بکری ذبح کرتے ہیں تو ہم اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں کیا ہم اسے پھینک دیں یا اسے کھالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تم چاہو تو اسے کھا لو کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہی ہے۔“ (۲)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ جانور خواہ اونٹنی ہو گائے ہو یا بکری ہو اسے قربانی کے لیے ذبح کیا جاسکتا ہے اور اس کے پیٹ کے بچے کو ذبح کیے بغیر کھانا درست ہے

(۱) [ابو داؤد (۲۸۰۲) کتاب الضحایا: باب ما یکرہ من الضحایا]

(۲) [ابو داؤد (۲۸۲۷) کتاب الضحایا: باب ما جاء فی ذکاة الحنین، شیخ البانی نے اس

حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۲۴۵۱)]

لیکن اگر اسے پھینک دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہ کو لازمی طور پر پیٹ کا بچہ کھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اسے ان کی طبیعت و چاہت پر ہی معلق رکھا۔

علاوہ ازیں بعض حضرات نے جو اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے ”بچے کو بھی اسی طرح ذبح کرو جیسے تم اس کی ماں کو ذبح کرتے ہو۔“ یہ تاویل نہایت فاسد و بے بنیاد ہے اور مذکورہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی اس کا رد کرتی ہے۔

قربانی کے جانور پر سوار ہونا

((عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ: أن رسول اللہ ﷺ رأى رجلا يسوق بدنة فقال: اركبها، فقال: إنها بدنة فقال: اركبها فقال: إنها بدنة، قال: اركبها وينك في الثالثة أو في الثانية))
 ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو قربانی کا جانور لے جاتے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا۔ اس شخص نے کہا کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا۔ اس نے کہا کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا افسوس! سوار بھی ہو جا (ویک آپ ﷺ نے) دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا۔“ (۱)

اس حدیث کی شرح میں مولانا داود راز نقل کرتے ہیں کہ ”زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ سائبہ وغیرہ جو جانور مذہبی نیاز نذر کے طور پر چھوڑ دیتے ان پر سوار ہونا معیوب جانا کرتے تھے۔ قربانی کے جانوروں کے متعلق بھی جو کعبہ میں لے جائی جائیں ان کا ایسا ہی تصور تھا۔ اسلام نے اس غلط تصور کو ختم کیا اور آنحضرت ﷺ نے باصرہ حکم دیا کہ اس پر سواری کرو تا کہ راستہ کی تھکن سے بچ سکو۔ قربانی کی جانور ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے معطل کر کے چھوڑ دیا جائے۔ اسلام اسی لیے دین فطرت

(۱) [بخاری (۱۶۸۹) کتاب الحج: باب ركوب البدن، مسلم (۲۳۲۳) ترمذی

(۹۱۱) نسائی (۱۷۶/۵) ابن ماجہ (۳۱۰۴)]

ہے کہ اس نے قدم قدم پر انسانی ضروریات کو ملحوظ نظر رکھا ہے اور ہر جگہ عین ضروریات انسانی کے تحت احکامات صادر کیے ہیں۔ (۱)

مزید اسی حدیث کے متعلق امام ترمذی رقمطراز ہیں کہ

((حدیث أنس حدیث حسن صحیح وقد رخص قوم من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم في ركوب البدنة إذا احتاج إلى ظهرها وهو قول الشافعي وأحمد وإسحاق وقال بعضهم لا يركب ما لم يضطر إليها))

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح حدیث ہے اور بے شک نبی ﷺ کے صحابہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے اہل علم کی ایک جماعت نے قربانی کے اونٹ پر سواری کی رخصت دی ہے جبکہ وہ شخص اس کی سواری کا محتاج ہو اور یہی قول امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ جب تک وہ شخص اس طرف مجبور نہ ہو جائے سواری نہ کرے۔“ (۲)

کیا قربانی کا جانور فروخت کیا جاسکتا ہے؟

اگر انسان قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو پھر اسے فروخت کرنا درست نہیں کیونکہ اب وہ جانور اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے اب اسے صرف اللہ کے لیے قربان کرنا ہی ضروری ہے بعینہ جیسے وقف شدہ مال کو نہ فروخت کرنا جائز ہے نہ ہیہ کرنا جائز ہے اور نہ ہی وراثت میں تقسیم کرنا جائز ہے بلکہ اسے صرف اللہ کے لیے صرف کرنا ہی ضروری ہے۔ (۳) ہاں اگر اسے فروخت کرنے سے مقصود اسے تبدیل کرنا ہے تو درست ہے مثلاً اگر کوئی شخص بکری خرید لایا ہے لیکن پھر وہ اسے فروخت کر کے گائے خریدنا چاہتا ہے تو یہ درست

(۱) [شرح بخاری (۴۲/۳)]

(۲) [ترمذی کتاب الحج : باب ماجاء فی ركوب البدنة]

(۳) [مسلم (۴۲۲۴) کتاب الوصیة : باب الوقف]

ہے کیونکہ یہ افضل قربانی کی طرف پیشرفت ہے۔ اور اس صورت میں بھی فروخت کرنا جائز ہے کہ اگر جانور خریدنے کے بعد علم ہو کہ یہ بیمار ہے یا اس میں کوئی ایسا نقص ہے جس وجہ سے یہ قربانی کے قابل نہیں تو اسے فروخت کر کے دوسرا جانور خریدا جاسکتا ہے۔ (واللہ اعلم) امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

قربانی کا جانور فروخت کرنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ (اسے) فروخت کر دینا نہ تو کھانا ہے نہ ذخیرہ کرنا ہے اور نہ ہی صدقہ کرنا ہے (کیونکہ قربانی کے جانور کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے صرف انہی تینوں افعال کا حکم دیا ہے ((کلوا وادخروا وصدقوا)) اور یہ تینوں فروخت کر دینے میں موجود نہیں) اور اسی طرح فروخت کر دینا اس چیز کے بھی خلاف ہے جس کا قربانی فائدہ دیتی ہے یعنی تقرب وغیرہ۔“ (۱)

قربانی کرنے والا کن امور سے اجتناب کرے؟

جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((إذا رأيتم هلال ذى الحجة وأراد أحدكم أن يضحى فليمسك

عن شعره وأظفاره))

”جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال

اور ناخن کاٹنے سے رک جائے۔“ (۲)

(۲) ایک اور روایت میں ہے کہ

(۱) [السييل الحرار (۳/۲۴۶)]

(۲) [مسلم (۳۶۵۵) كتاب الأضاحي : باب نهى من دخل عليه عشر ذى الحجة وهو

مرید التضحية أن ياخذ من شعره وأظفاره شيئاً، نسائي (۲۱۱/۷) ابن ماجه

(۳۱۴۹) بيهقي (۲۶۶/۹) احمد (۲۸۹/۶)]

((من كان له ذبح يذبحه فاذا أهل هلال ذى الحجة فلا يأخذن من

شعره وأظفاره حتى يضحى))

”جس کے پاس قربانی کے لیے کوئی جانور ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کر

لینے تک ہرگز اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔“ (۱)

امام نووی رقمطراز ہیں کہ

”حضرت سعید بن سیب، امام ربیعہ، امام احمد، امام اسحاق، امام داؤد اور بعض اصحاب

شافعی رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ ایسے شخص پر اپنے بال اور ناخن میں سے کچھ بھی کاٹنا اس وقت

تک حرام ہے جب تک کہ وہ شخص قربانی کے وقت میں قربانی نہ کر لے۔“ (۲)

امام ابن قدامہ حنبلیؒ نے بھی ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کا ارادہ رکھنے والے

شخص پر بال اور ناخن کاٹنے کی حرمت کا یہی رجحان ظاہر کیا ہے۔ (۳)

شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ:

((من أراد أن يضحى فليس له أن يأخذ من شعره ولا من أظفاره ولا من

بشرته شيئا إذا دخل ذوالحجة حتى يضحى))

”جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بال اور

اپنے ناخن اور اپنے چمڑے (یعنی جسم) سے کچھ بھی کاٹے جبکہ ماہ ذوالحجہ شروع ہو چکا ہو حتیٰ

کہ قربانی کر لے۔“ (۴)

جو قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو کیا وہ بھی بال اور ناخن نہ کاٹے؟

جس شخص کا قربانی کا ارادہ نہ ہو اس کے لیے بال اور ناخن کاٹنے کی ممانعت کسی صحیح

(۱) [مسلم (۱۹۷۷) نسائی (۲۱۲/۷) ترمذی (۱۵۲۳) ابو داؤد (۲۷۹۱) شرح

معانی الآثار (۲۰۵/۲) حاکم (۲۲۰/۴) بیہقی (۲۶۶/۹) احمد (۳۰۱/۶)]

(۲) [شرح مسلم (۱۵۴/۷)]

(۳) [المغنی (۳۶۳/۱۳)]

(۴) [فردی اسلامیہ (۳۱۷/۲)]

حدیث سے ثابت نہیں ہاں ایسا شخص اگر قربانی کا اجر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ عید کے روز اپنے بال اور ناخن تراش لے، موچھیں کاٹ لے اور زیناف موٹھ لے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، أن النبی ﷺ قال : أمرت بیوم الأضحی عیدا جعله الله لهذه الأمة ، قال الرجل أرأیت إن لم أحد إلا منیحة أنتی أفاضحی بها؟ قال : لا ، ولكن تاخذ من شعرک وأظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فتلك تمام أضحیتک عند الله))

”حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے یوم الاضحیٰ کو عید کا حکم دیا گیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مقرر فرمایا ہے ایک آدمی نے عرض کیا آپ مجھے بتلائیں کہ اگر میں قربانی کے لیے مونٹ دودھ دینے والی بکری کے سوانہ پاؤں تو کیا اس کی قربانی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم اپنے بال اور ناخن تراش لینا اور اپنی موچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونٹ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تیری مکمل قربانی ہو جائے گی۔“ (۱)

جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے کیا وہ بھی بال اور ناخن نہ کاٹے؟

شیخ ابن جریر کا فتویٰ:

((وورد فی الحدیث الصحیح ”إذا دخل العشر وأراد أحدکم أن یضحی فلا یأخذ من شعره ولا من بشرته شیئا“ ولم یذکر من یضحی عنه غیره لکن بعض العلماء کره الأخذ أيضا ممن یضحی عنه غیره مع أن من أخذ منهم شیئا فلا فدیة علیه ولا تبطل أضحیته ولا یتروک التضحیة وهی مقبولة عنه إن شاء الله تعالی))

(۱) [ابو داؤد (۲۷۸۹) کتاب الضحایا: باب ماجاء فی إیحاب الأضحی، نسائی (۴۳۷۷) ابن حبان (۱۰۴۳) حاکم (۲۲۳/۴) یہ روایت حسن درج کی ہے۔]

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ”جب عشرہ ذوالحجہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور اپنے چمڑے (یعنی جسم) سے کچھ نہ کاٹے“ (اس حدیث میں) آپ ﷺ نے ایسے شخص کا ذکر نہیں کیا جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو لیکن بعض علما نے ایسے شخص کا (بال وغیرہ) کاٹنا بھی ناپسند کیا ہے جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو (لیکن) اس کے ساتھ (انہوں نے یہ بھی کہا ہے) کہ ان میں سے جس نے کسی چیز کو کاٹا نہ تو اس پر کوئی فدیہ ہے نہ اس کی قربانی باطل ہوگی اور نہ ہی اسے قربانی کرنے سے پیچھے ہٹنا چاہیے وہ انشاء اللہ اس کی طرف سے قبول ہو جائے گی۔“ (۱)

قربانی کا وقت

قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی خواہ وہ کسی بھی علاقے میں ہو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی بلکہ اسے نماز عید کے بعد قربانی کے لیے دوسرا جانور ذبح کرنا پڑے گا۔

(1) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((من ذبح قبل الصلاة فانما يذبح لنفسه ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين))

”جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لیتا ہے وہ صرف اپنے کھانے کے لیے جانور ذبح کرتا ہے اور جو نماز عید کے بعد قربانی کرے اس کی قربانی پوری ہوتی ہے اور وہ مسلمانوں کی سنت کو پالیتا ہے۔“ (۲)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

((من ذبح قبل الصلاة فليعد))

(۱) [فتاویٰ اسلامیة (۲/۳۱۸)]

(۲) [بخاری (۵۵۵۶) کتاب الأضاحی : باب قول النبی ﷺ لأبی بردة.....]

”جس نے نماز عید سے پہلے جانور ذبح کر لیا وہ دوبارہ قربانی کرے۔“ (۱)

(3) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوران خطبہ ارشاد فرما رہے تھے:

((إن أول ما نبدا من يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر فمن فعل هذا فقد أصاب سنتنا ومن نحر فإنما هو لحم يقدمه لأهله ليس من النسك شيء فقال أبو بردة يا رسول الله ﷺ ذبحت قبل أن أصلي وعندى جذعة خير من مسنة فقال : اجعلها مكانها ولم تجزى أو توفي عن أحد بعدك))

”آج کے دن کی ابتداء ہم نماز عید سے کریں گے پھر واپس آ کر قربانی کریں گے جو شخص اس طرح کرے گا وہ قربانی کو پالے گا لیکن جس نے (نماز عید سے پہلے) جانور ذبح کر لیا تو وہ ایسا گوشت ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لیے تیار کیا ہے وہ قربانی کسی درجہ میں بھی نہیں، حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے تو عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لی ہے البتہ میرے پاس ابھی ایک سال سے کم عمر کا ایک بکری کا بچہ ہے اور سال بھر کی بکری سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسی کی قربانی اس کے بدلہ میں کر لو لیکن تمہارے بعد یہ کسی کے لیے جائز نہ ہوگا۔“ (۲)

(4) ((عن جندب رضی اللہ عنہ قال : شهدت النبي ﷺ يوم النحر فقال : من ذبح قبل أن يصلي فليعد مكانها أخرى، ومن لم يذبح فليذبح))

”حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی ہو

(۱) [بخاری (۵۵۶۱، ۵۵۴۹) کتاب الأضاحی : باب من ذبح قبل الصلاة أعاد، مسلم

(۱۵۵۴) نسائی (۴۴۰۸) ابن ماجہ (۳۱۵۱)]

(۲) [بخاری (۵۵۶۰) کتاب الأضاحی : باب الذبح بعد الصلاة]

وہ اس کی جگہ دوبارہ کرے اور جس نے قربانی ابھی نہ کی ہو وہ کر دے۔“ (۱)

قربانی کتنے دن کی جاسکتی ہے؟

عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن یعنی تیرہ (13) ذوالحجہ کی شام تک قربانی کی جاسکتی ہے کیونکہ عید الاضحیٰ کے بعد 11، 12 اور 13 ذوالحجہ کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ (۲)

اور تمام ایام تشریق کو ذبح کے دن قرار دیا گیا ہے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

((عن جبرین مطعم بن النعمان عن النبي ﷺ قال: كل أيام التشریق ذبح))

”تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔“ (۳)

اگرچہ اس حدیث کے منقطع ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں اسے موصول بیان کیا ہے اور امام بیہقی نے بھی اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ احمد وغیرہ کے رجال ثقہ ہیں۔ (۴)

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

انہوں نے اس ضمن میں پانچ مختلف مذاہب ذکر کرنے کے بعد اس مذہب کو ترجیح دی ہے کہ

((أيام التشریق كلها أيام ذبح وهي يوم النحر وثلاثة أيام بعده))

”سارے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں اور وہ دن یہ ہیں: یوم النحر اور اس کے

بعد تین دن۔“ (۵)

(۱) [بخاری (۵۵۶۲) کتاب الأضاحی: باب من ذبح قبل الصلاة أعداد]

(۲) [تفسیر أحسن البیان (ص ۸۲/۱) نیل الأوطار (۴۹۰/۳)]

(۳) [احمد (۸۲/۴) صحیح ابن حبان (۳۸۴۲) السنن الكبرى للبيهقي (۲۹۵/۹) شیخ

البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۴۵۳۷)]

(۴) [بلوغ الأمانی للبنی (۹۵-۹۴/۱۳)]

(۵) [نیل الأوطار (۱۲۵/۵)]

امام نوویؒ کا فتویٰ:

انہوں نے بھی اسی (امام شوکانیؒ کے قول) کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (۱)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام عطاءؒ، امام حسن بصریؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، امام سلیمان بن موسیٰ الأسدیؒ، امام مکحولؒ، امام شافعیؒ اور امام داؤد ظاہری رحمہم اللہ سے بھی یہی قول منقول ہے۔ (۲)

حافظ عبدالمنان نور پوری کا فتویٰ:

”ایام تشریق ذبح کے دن ہیں“ مرفوع حدیث دارقطنی وغیرہ میں موجود ہے اور معلوم ہے کہ تشریق یوم نحر کے بعد تین دن 11، 12 اور 13 ذوالحجہ ہیں۔ ان تین دن میں یوم النحر کو جمع کر لیں تو چار دن ہی ہیں۔ باقی جو لوگ تین دن کے قائل ہیں ان سے قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی مرفوع حدیث طلب فرمائیں تو جو آیت یا مرفوع حدیث وہ پیش فرمائیں گے اسی سے چار دن بھی نکل آئیں گے ان شاء اللہ الرحمان۔ (۳)

البتہ بعض فقہاء نے یوم النحر کے بعد مزید صرف دو دنوں تک قربانی کی اجازت دی ہے ان کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے ((الأضحیٰ یومان بعد یوم الأضحیٰ)) ”قربانی یوم الأضحیٰ کے بعد دو دن ہے۔“ (۴)

لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ پہلی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایت محض ان کا اپنا قول ہی ہے اس لیے پہلی حدیث کو ترجیح دی جائے گی نیز جس روایت میں ایک دن کم کا ذکر ہے اس میں زیادتی کی نفی بھی نہیں ہے۔

(۱) [شرح مسلم (۱۲۸/۷)]

(۲) [نیل الأوطار (۴۹۰/۳) بیہقی (۲۹۷/۵، ۲۹۶/۵)]

(۳) [احکام و مسائل (۴۳۸/۱)]

(۴) [موطا (۴۸۷/۲) بیہقی (۲۹۷/۹) شرح مسلم للنووی (۱۲۸/۷)]

کس دن کی قربانی افضل ہے؟

اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ پہلے دن کی قربانی افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ ہمیشہ اسی پر عمل پیرا رہے۔ آپ ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور قربانی کرتے رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے سواونٹ قربان کیے۔ ان سب قربانیوں میں آپ ﷺ کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ آپ ﷺ پہلے دن قربانی کرتے جیسا کہ ایک حدیث سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ

((عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ : إن أول ما نبدا به فی یومنا هذا نصلی ثم نرجع فننحر، من فعله فقد أصاب سنتنا))

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”آج (عید الاضحیٰ کے دن) کی ابتدا ہم نماز (عید) سے کریں گے پھر واپس آ کر قربانی کریں گے جو اس طرح کرے گا وہ ہماری سنت کے مطابق عمل کرے گا۔“ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جس دن نماز عید پڑھتے اسی دن قربانی کرتے اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ نماز عید پہلے دن ہی ادا کی جاتی ہے۔
علاوہ ازیں ایک اور حدیث سے بھی پہلے دن کی افضلیت معلوم ہوتی ہے:

((عن عبد اللہ بن قرط عن النبی ﷺ قال : إن أعظم الأيام عند اللہ یوم النحر ثم یوم القر))

”حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے عظیم دن یوم النحر (یعنی عید کا پہلا دن) ہے پھر یوم القر (یعنی دوسرا دن) ہے۔“ (۲)

(۱) [بخاری (۵۵۴۵) کتاب الأضاحی: باب سنة الأضحیة]

(۲) [ابو داؤد (۱۷۶۵) کتاب المناسک: باب الهدی إذ اعطب قبل أن یبلغ، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۱۵۵۲)]

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ ایام عید میں سے افضل دن پہلا ہے اور نبی ﷺ بھی پہلے دن میں ہی قربانی کیا کرتے تھے لہذا پہلے دن کی قربانی ہی افضل ہے لیکن اگر کوئی یہ خیال کرے کہ آخری دنوں میں قربانی کرنے سے غرباء و مساکین کو زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے تو بعض علماء نے اسے بھی پہلے دن کے برابر ہی قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

قربانی کی جگہ

بہتر یہ ہے کہ عید گاہ میں قربانی کی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

((كان رسول الله ﷺ يذبح وينحر بالمصلى))

”رسول اللہ ﷺ (قربانی) ذبح اور نحر عید گاہ میں کیا کرتے تھے۔“ (۱)

لیکن اگر کوئی گھر میں قربانی کر لیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عید گاہ میں قربانی کرنا لازمی قرار نہیں دیا۔

قربانی کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے

(۱) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته))

”جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور تم میں سے ایک اپنی چھری تیز

کرے اور اپنے ذبیح کو آرام پہنچائے۔“ (۲)

(۱) [بخاری (۵۵۵۲) کتاب الأضاحی: باب الأضحی والنحر بالمصلى، ابن ماجہ

(۳۱۶۱) کتاب الأضاحی: باب الذبح بالمصلى، ابو داود (۲۸۱۱) کتاب

الضحایا: باب الإمام يذبح بالمصلى]

(۲) [ابو داود (۲۸۱۴) کتاب الضحایا: باب فى النهى أن تصبر البهائم والرفق

بالذبيحة، شيخ البانى نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۲۴۴۱)]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور قربان کرنے سے پہلے چھری کو خوب اچھی طرح تیز کر لینا چاہیے تاکہ جانور آسانی سے ذبح ہو جائے اور اسے زیادہ تکلیف نہ ہو کیونکہ گذشتہ روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

((إن الله كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا))

”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لکھ دیا ہے پس جب تم قتل کرو تو (اس میں بھی) احسان کرو۔“

(2) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نہی رسول اللہ ﷺ أن تصبر البهائم))

”رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (۱)

(3) ((عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله ﷺ أمر بكبش أقرن، يظأ في سواد،

ويبرك في سواد، وينظر في سواد، فاتى به ليضحى به، قال لعائشة: هلمى

المدية، ثم قال: اشحذيها بحجر ففعلت، ثم أخذها، وأخذ الكبش

فأضحعه، ثم ذبحه، ثم قال: باسم الله، اللهم! تقبل من محمد وآل

محمد، ومن أمة محمد، ثم ضحى به))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگ والا ایک

مینڈھالانے کا حکم دیا جس کے ہاتھ پاؤں پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں۔ تو وہ قربانی کے لیے

لایا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا چھری لاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا

اسے پتھر کے ساتھ تیز کرو تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ ﷺ نے چھری کو پکڑا اور

مینڈھے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا۔ پھر کہا ”اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ! محمد آل محمد

(۱) [ابو داؤد (۲۸۱۵) کتاب الضحایا: باب فی النہی أن تصبر البهائم والرفق بالذبیحة

، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۲۴۴۲)]

اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما، پھر آپ ﷺ نے اسے ذبح کر دیا۔“ (۱)

جانور قبلہ رخ لٹانا چاہیے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے قربانی کے دن سنگ والے دو چتکبرے، خسی مینڈھے ذبح کیے۔ پس جب آپ ﷺ نے انہیں قبلہ رخ کر لیا تو کہا:

((وَجْهَهُتْ وَجْهِي لِلذِّئْيِ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنِ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ))

پھر آپ ﷺ نے ذبح کر دیا۔“ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے قبلہ رخ کیا۔ اس لیے یہ عمل بھی مسنون ہے۔

جانور کے پہلو پر پاؤں رکھنا

جانور ذبح کرتے وقت اس کے پہلو پر پاؤں رکھنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((ضحى النبي ﷺ بكبشين أملحين فرأيته واضعا قدمه على صفاحهما))

”نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی میں نے دیکھا کہ

(۱) [مسلم (۵۰۹۱) کتاب الاضاحی: باب استحباب استحسان الضحیة، وذبحها

مباشرة بلا توکیل، والتسمية والتكبير]

(۲) [ابو داؤد (۲۷۹۵) کتاب الضحایا: باب ما يستحب من الضحایا، یہ حدیث حسن

درجہ کی ہے۔]

آنحضرت ﷺ اپنے پاؤں ان جانوروں کے پہلوؤں پر رکھے ہوئے ہیں۔“ (۱)

اونٹ نحر کرنے کا طریقہ

اونٹ کو ذبح نہیں بلکہ نحر کرنا چاہیے اور نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کا اگلا بایاں گھٹنا باندھ کر اسے تین ٹانگوں پر کھڑا کر دینا چاہیے اور کوئی تیز دھار چیز مثلاً چھری، چاقو، نیزہ یا برچھی وغیرہ اس کی گردن میں مارنی چاہیے آہستہ آہستہ خون بہہ جائے گا اور اونٹ ایک طرف گر جائے گا پھر اس کی کھال وغیرہ اتار کر گوشت بنا لینا چاہیے اونٹ کو نحر کرنے کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالْبَدَنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ

عَلَيْهَا صَوَافٍ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا﴾ [الحج: ۳۶]

”قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں ان میں تمہیں نفع ہے پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔ پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو اس سے کھاؤ۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ”صواف“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ”قیاما معقولة“ یعنی ایک ٹانگ باندھ کر کھڑا کرنا ہے۔ (۲)

امام شوکانیؒ آیت ﴿فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وجوب (سے مراد) ساقط ہونا ہے یعنی جب نحر ہونے کے بعد اونٹ گر جائے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی روح نکل جاتی ہے۔ (۳)

(۱) [بخاری (۵۵۵۸) کتاب الأضاحی: باب من ذبح الأضاحی بیدہ، مسلم (۵۰۸۷)

کتاب الأضاحی: باب استحباب استحسان الضحیة]

(۲) [تفسیر فتح القدیر (۵۵۸/۳)]

(۳) [تفسیر فتح القدیر (۵۵۶/۱۳)]

(2) ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنه أتى على رجل قد أناخ بدنته وهو ينحرها فقال
ابعتها قياما مقيدة سنة محمد ﷺ))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے
جس نے اونٹ کو ذبح کرنے کی غرض سے بٹھا رکھا تھا تو انہوں نے کہا ”اس کا گھٹنا باندھ کر
اسے کھڑا کرو یہی محمد ﷺ کی سنت ہے۔“ (۱)

(3) ((عن جابر رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ وأصحابه كانوا ينحرون البدن معقولة
اليسرى قائمة على ما بقى من قوائمها))

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم
اونٹ کی بائیں ٹانگ باندھ کر اسے نحر کرتے تھے اور وہ اپنی باقی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا تھا۔“ (۲)
(4) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے بیان میں حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ
(فنحر رسول الله ﷺ بيده ثلاثا وستين بدنة جعل يطعنها بحربة
فی یدہ))

”رسول اللہ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تریسٹھ (63) اونٹ نحر کیے۔ آپ ﷺ اونٹوں
کی گردنوں میں اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹا نیزہ مارتے تھے۔“ (۳)

زندہ جانور سے کاٹا ہوا گوشت حرام ہے

جانور کو ذبح یا نحر کرنے کے بعد جب تک اچھی طرح اس کا خون بہہ کر روح نہ نکل

(۱) [بحاری (۱۷۱۳) کتاب الحج: باب نحر الإبل مقيدة، مسلم (۱۳۲۰) ابو داود
(۱۷۶۸) احمد (۳/۲) ابن حبان (۵۹۰۳)]

(۲) [ابو داود (۱۷۶۷) کتاب المناسك: باب كيف تنحر البدن، شیخ البانی نے اسے صحیح
کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۱۵۵۳)] شیخ عبدالرزاق مہدی حفظہ اللہ نے اسے حسن کہا
ہے۔ [التعلیق علی تفسیر ابن کثیر (۴/۴۳۸)]

(۳) [مسلم (۱۲۱۸)]

جائے اس کا گوشت بنانا شروع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر زندہ جانور سے ہی گوشت کاٹ لیا جائے تو وہ حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

حضرت ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((ما قطع من البهيمة وهي حية فهو ميت))

”زندہ جانور سے جو کچھ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے۔“ (۱)

چھری چلانے سے پہلے دعا پڑھنا

چھری چلانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے مختلف دعائیں ثابت ہیں ان میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(1) بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ:

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((ضحى النبي ﷺ بكبشين أملحين أقرنين ذبحهما بيده وسمى و كبر))

”نبی ﷺ نے سینگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی۔ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھا۔“ (۲)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور ذبح کرتے وقت یہ الفاظ کہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هَذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحَّ مِنْ أُمَّتِي))

”اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے یہ (جانور) میری طرف سے اور اس

(۱) [أبو داود (۲۸۵۸) کتاب الصيد: باب فی صید قطع منه قطعة، ترمذی (۱۴۸۰)]

أحمد (۲۱۸/۵) ابن الحارود (۸۷۶) دارقطنی (۲۹۲/۴) حاکم (۲۳۹/۴)

بیہقی (۲۴۵/۹) شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [غایۃ المرام (۴۱)]

(۲) [بخاری (۵۵۶۵) کتاب الأضاحی: باب التکبیر عند الذبائح]

کی طرف سے ہے جس نے میری امت میں سے قربانی نہیں کی۔“ (۱)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا اور ذبح کرتے وقت کہا:

((اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ))

”اے اللہ تو محمد کی طرف سے آل محمد کی طرف سے اور امت محمد کی طرف سے

(اس جانور کی قربانی) قبول فرما۔“ (۲)

(4) سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کے روز دو مینڈھے قربان کیے اور جب ان دونوں کو قبلہ رخ کیا تو یہ کلمات کہے:

((وَجْهَهُتْ وَجْهِي لِلذِّي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ

الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنِ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ))

پھر (انہیں) ذبح کر دیا۔ (۳)

ہر خون بہا دینے والی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے سوائے.....

سوائے دانت اور ناخن کے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کا واضح ثبوت ہے:

(1) ((عن رافع بن خديج رضى الله تعالى عنه عن النبي ﷺ قال : ما أنهر

(۱) [ابو داؤد (۲۸۱۰) كتاب الضحايا: باب فى الشاة يضحى بها عن جماعة ترمذى

(۱۵۲۰) احمد (۳۶۲/۳) حاكم (۲۲۹/۴) بيهقي (۲۷۵/۴) شيخ البانى نے اس

حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۲۴۳۶)]

(۲) [مسلم (۱۹۶۷) كتاب الأضاحى: باب استحباب استحسان الضحية وذبحها

مباشرة بلا توكيل التسمية والتكبير، احمد (۷۸/۶) ابو داؤد (۲۷۹۲)]

(۳) [ابو داؤد (۲۷۹۵) كتاب الضحايا: باب ما يستحب من الضحايا]

الدم و ذکر اسم اللہ علیہ فکل لیس السن والظفر ، أما السن فعظم وأما الظفر فمدی الحبشة))

”حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ”جو چیز خون کو بہا دے اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو اس جانور کو کھالو۔ ذبح کرنے کا آلہ دانت اور ناخن نہیں کیونکہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔“ (۱)

یہ حدیث مطلق دانت اور ناخن سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے (یعنی) دانت اور ناخن خواہ انسان کا ہو یا کسی اور جانور کا، الگ اور جدا ہو یا جسم کے ساتھ لگا ہو، خواہ لوہے سے بنایا ہو (ہر صورت میں ان دونوں سے ذبح کرنا ممنوع ہے)۔ (۲)

(2) ((وعن كعب بن مالك رضي الله عنه: أن امرأة ذبحت شاة بحجر فسئل النبي ﷺ عن ذلك، فامر بأكلاها))

”حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پتھر سے ایک بکری کو ذبح کر دیا، نبی ﷺ سے اس کے کھانے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے اسے کھانے کا حکم فرمایا۔“ (۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری کے علاوہ اور چیزوں سے بھی جانور ذبح کرنا درست ہے بشرطیکہ اس سے خون بہہ جائے جیسا کہ اس عورت نے ایک نوکدار پتھر سے ذبح کیا تھا اور اس سے خون بہہ گیا تھا۔

جانور خود ذبح کرنا چاہیے

جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) [بخاری (۵۴۹۸) کتاب الذبائح والصيد: باب التسمية على الذبيحة ومن ترك

متعمداً، مسلم (۱۹۶۸)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سبیل السلام (۴/۱۸۵۲)]

(۳) [بخاری (۵۵۰۴) کتاب الذبائح والصيد: باب ذبيحة المرأة والأمة]

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے بیان میں حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ

((فنحر رسول اللہ ﷺ بيده ثلاثا وستين بدنة جعل يطعنها بحربة في يده))

”رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تریسٹھ (63) اونٹ نحر کیے۔ آپ اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹا نیزہ اونٹوں کی گردنوں میں مارتے تھے۔“ (۱)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((أن النبي ﷺ نحر سبع بدنا بيده قياما وضحي بالمدينة بكبشين

أقرنين أملحين))

”نبی ﷺ نے کھڑے کھڑے سات اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور مدینہ میں دو سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے۔“ (۲)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((انكفأ رسول الله ﷺ إلى كبشين أقرنين أملحين فذبحهما بيده))

”رسول اللہ ﷺ سینگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔“ (۳)

(4) ((عن أنس رضي الله عنه قال : ضحى النبي ﷺ بكبشين أملحين فرأيته واضعا

قدمه على صفاحهما يسمي ويكبر، فذبحهما بيده))

”حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے پاؤں جانور کے اوپر رکھے ہوئے

(۱) [مسلم (۱۲۱۸)]

(۲) [ابو داؤد (۲۷۹۳) کتاب الضحایا : باب ما يستحب من الضحایا، شیخ البانی نے اس

حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۲۴۲۳)]

(۳) [بخاری (۵۵۵۴) کتاب الأضاحی : باب فی أضحية النبی]

ہیں اور بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ رہے ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے دونوں مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔“ (۱)

درج بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ انسان کو اپنی قربانی خود ذبح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنی قربانی خود ذبح کیا کرتے تھے۔
امام شوکانیؒ نے بھی اسی موقف کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔ (۲)
امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

((وإن ذبحها بيده كان أفضل))

”اور اگر وہ شخص قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے تو یہ افضل ہے۔“ (۳)

سید سابقؒ فرماتے ہیں کہ

((يسن لمن يذبح أن يذبح أضحيته بيده))

”جو شخص عمدہ طریقے سے جانور ذبح کر سکتا ہو اس کے لیے مسنون ہے کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ کے ساتھ ذبح کرے۔“ (۴)

کیا قصائی سے ذبح کرنا درست ہے؟

بہتر تو یہ ہے کہ جانور خود ذبح کیا جائے جیسا کہ نبی ﷺ اپنا جانور خود ہی ذبح کرتے تھے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کر سکتا ہو تو قصائی سے ذبح کرنا بھی درست ہے۔ کیونکہ کسی صحیح حدیث میں اس کی ممانعت موجود نہیں۔

کیا عورت ذبح کر سکتی ہے؟

اگر عورت کو جانور ذبح کرنے کا طریقہ آتا ہو تو اس کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے

(۱) [بخاری (۵۵۵۸) کتاب الأضاحی : باب من ذبح الأضاحی بيده]

(۲) [السيل الحرار (۲۴۳/۳)]

(۳) [السمی لابن قدامة (۳۸۹/۱۳)]

(۴) [فقه السنة (۱۹۸/۳)]

جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ

((وأمر أبو موسى بناته أن يضحين بأيديهن))

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ

سے ہی ذبح کریں۔“ (۱)

علامہ عینیؒ کا فتویٰ:

فرماتے ہیں کہ ”اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورتیں اگر اچھی طرح ذبح کر سکتی

ہوں تو وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کر سکتی ہیں۔“ (۲)

(2) ((عن كعب بن مالك رضي الله عنه..... أن جارية لهم كانت ترعى غنما

بسلع فأبصرت بشاة من غنمها موتا فكسرت حجرا فذبحتها فقال لأهله : لا

تاكلوا حتى آتى النبي ﷺ فأسأله أو حتى أرسل إليه من يسأله فاتى النبي ﷺ

أو بعث إليه فأمر النبي ﷺ باكلها))

”حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ..... ایک لونڈی سلع پہاڑی پر

بکریاں چرایا کرتی تھی (چراتے وقت ایک مرتبہ) اس نے دیکھا کہ ایک بکری مرنے والی

ہے چنانچہ اس نے ایک پتھر توڑ کر اس سے بکری ذبح کر دی تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے

گھر والوں سے کہا کہ اسے اس وقت تک نہ کھانا جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے اس کا حکم

نہ پوچھ آؤں یا (انہوں نے کہا کہ) میں کسی کو بھیجوں جو آنحضرت ﷺ سے مسئلہ پوچھ

آئے۔ پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یا کسی کو بھیجا اور آنحضرت ﷺ

(۱) [بخاری (قبل الحديث / ۵۵۵۹) كتاب الأضاحي : باب من ذبح ضحية غيره.....]

(۲) [عمدة القاری (۱۵۵/۲۱)]

نے اس کے کھانے کی اجازت بخشی۔“ (۱)
 شیخ ابن جبرین کا فتویٰ:

کسی نے دریافت کیا کہ جب قربانی کا وقت ہو جائے اور گھر پر کوئی آدمی موجود نہ ہو تو اس صورت میں کیا عورت قربانی کا جانور ذبح کر سکتی ہے؟ تو شیخ نے جواب میں کہا کہ ((نعم، يجوز للمرأة أن تتولى ذبح الأضحية أو غيرها عند الحاجة متى تمت الشروط الأخرى للذكاة ويسن عند ذبح الأضحية تسمية من ينويها له من حي أو ميت فإن لم يفعل اكتفى بالنية فإن سمى غير صاحبها خطأ فلا يضر فالله أعلم بالنيات)) [والله الموفق]

”ہاں اگر جانور ذبح کرنے کی دیگر شرائط پوری ہو رہی ہوں تو بوقت ضرورت عورت قربانی وغیرہ کا جانور ذبح کر سکتی ہے۔ قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اُس زندہ یا فوت شدہ آدمی کا نام لینا مسنون ہے جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہو۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو سکے تو نیت کر لینا ہی کافی ہے اگر ذبح کرنے والا غلطی سے اصل شخص کی بجائے کسی اور کا نام لے لے تو بھی کوئی نقصان نہ ہوگا“ اس لیے کہ اللہ رب العزت نیتوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ (واللہ الموفق) (۲)

مکمل اہل و عیال کی طرف سے ایک بکری

کفایت کر جاتی ہے اور اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

((عن عطاء بن يسار قال سألت أبا أيوب الأنصاري رضي الله عنه كيف كانت

الضحايا فيكم على عهد رسول الله ﷺ قال كان الرجل في عهد النبي ﷺ

(۱) [بخاری (۵۵۰۱) کتاب الذبائح والصيد: باب ما أنهر الدم من القصب والمروة

والحديد]

(۲) [فتاویٰ اسلامیہ (۲/۳۱۸)]

يضحي بالشاة عنه وعن أهل بيته فياكلون ويطعمون))

”عطاء بن يسار“ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قربانی کیسے ہوتی تھی تو انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا وہ (اسے) کھاتے تھے اور کھلاتے تھے۔“ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

((عن أبي سريحة رضي الله عنه قال حملني أهلي على الحفاء بعد ما علمت من

السنة كان أهل البيت يضحون بالشاة والشاتين والآن يبخلنا جيراننا))

”حضرت ابو سريحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے گھر والوں نے ہم کو خلاف سنت کام پر مجبور کیا اس کے بعد کہ جب ہم سنت پر عمل کرتے تھے تو ایک گھر والے بکری یا دو بکریوں کی قربانی کرتے اور اب اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل کہتے ہیں۔“ (۲)

درج بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک بکری مکمل اہل و عیال کی طرف سے کفایت

کر جاتی ہے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ

((والعمل على هذا عند بعض أهل العلم وهو قول أحمد

(۱) [ترمذی (۱۵۰۵) کتاب الأضاحی : باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزى عن أهل

بيت، ابن ماجة (۳۱۴۷) کتاب الأضاحی : باب من ضحى بشاة عن أهله، مؤطا

(۴۷۶۱۲) شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجة (۲۵۴۶)]

(۲) [ابن ماجة (۳۱۴۸) کتاب الأضاحی : باب من ضحى بشاة عن أهله، شیخ البانی نے

اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجة (۲۵۴۷)] حافظ بوصیری نے بھی اسے صحیح کہا

ہے۔ [مصباح الزجاجة (۵۵۱۳)]

وإسحاق..... وقال بعض أهل العلم لا تجزى الشاة إلا عن نفس واحدة وهو قول عبد الله بن مبارك وغيره من أهل العلم ((

”بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور امام احمد اور امام اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے..... اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ بکری صرف ایک نفس کی طرف سے ہی کفایت کرتی ہے اور یہ قول عبداللہ بن مبارکؒ اور ان کے علاوہ (بعض دیگر) اہل علم کا ہے۔“

بہر حال راجح موقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے کیونکہ گذشتہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی صحیح حدیث اسی کو ثابت کرتی ہے۔
امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

((والحق أن الشاة الواحدة تجزى عن أهل البيت وإن كانوا مائة نفس أو أكثر كما قضت بذلك السنة))

”حق بات یہ ہے کہ ایک بکری (مکمل) گھروالوں کی طرف سے کفایت کی جاتی ہے اگرچہ وہ سو یا اس سے بھی زیادہ نفس ہوں جیسا کہ سنت نے یہی فیصلہ کر دیا ہے۔“ (۱)
امام ابن قیمؒ کا فتویٰ:

((و كان من هديه ﷺ أن الشاة الواحدة تجزئ عن الرجل وعن أهل بيته ولو كثر عددهم))

”آپ ﷺ کی سنت سے یہ بھی ہے کہ ایک بکری آدمی کی طرف سے اور اس کے گھروالوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو۔“ (۲)
امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((ولا بأس أن يذبح الرجل عن أهل بيته شاة واحدة))

(۱) [نبيل الأوطار (۱۳۷/۵) السيل الحرار (۲۳۳/۳)]

(۲) [كفاية تحفه الأحمدي (۷۳/۵)]

اور جن روایات میں ہے کہ اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة))

”گائے سات آدمیوں کی طرف سے قربان کی جاسکتی ہے، اور اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے۔“ (۱)

ایسی تمام روایات کے متعلق بعض علما کہتے ہیں کہ یہ حج کے متعلق ہیں یعنی دوران حج قربانی کرنے والے ایک اونٹ میں صرف سات افراد ہی شریک ہوں گے۔ اور بعض علما کا خیال ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے یعنی اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں اور سات بھی۔ (واللہ اعلم)

علاوہ ازیں اگر استطاعت ہو تو اکیلا آدمی بھی اونٹ یا گائے کی قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

((أن رسول الله ﷺ نحر عن آل محمد في حجة الوداع بقره واحدة))

”بے شک رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر آل محمد کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔“ (۲)

کیا مختلف لوگ مل کر ایک بکری قربان کر سکتے ہیں؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت میں اتنا تو ثابت ہے کہ ایک بکری مکمل گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے لیکن یہ بالکل ثابت نہیں کہ ایک بکری زیادہ گھرانوں یا مختلف

(۱) [ابو داؤد (۲۸۰۸) کتاب الضحایا: باب البقر والجزور عن کم تجزی، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۲۴۳۴)]

(۲) [ابن ماجہ (۳۱۳۵) کتاب الأضاحی: باب عن کم تجزی البدنة والبقرة، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجہ (۲۵۴۰)]

افراد کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔

قربانی کرنا افضل ہے یا قربانی کی قیمت صدقہ کر دینا؟

قربانی کی قیمت صدقہ کر دینے سے قربانی کرنا افضل ہے کیونکہ قربانی ایسی عبادت ہے جسے رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ عظام نے اپنایا ہے اگر قربانی کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کرنا شروع کر دیا جائے تو یہ عبادت ختم ہوتی چل جائے گی۔ علاوہ ازیں اگر صدقہ کرنا افضل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس کی وضاحت فرمادیتے حالانکہ آپ ﷺ سے نہ تو یہ ثابت ہے کہ قیمت صدقہ کر دینا قربانی سے افضل ہے اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا قربانی کے برابر ہے۔

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((والأضحیة أفضل من الصدقة بقيمتها نص عليه أحمد وبهذا قال

ربيعة وأبو الزناد))

”قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے، امام احمدؒ نے اس پر نص

بیان کی ہے، امام ربیعہؒ اور امام ابو الزنادؒ نے بھی یہی بات کہی ہے۔“ (۱)

شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ:

((وذبها أفضل من الصدقة بثمانها لما في ذلك من إحياء السنة

وإظهارها والتأسي بالنبي ﷺ وأصحابه رضی اللہ عنہم، واللہ ولی التوفیق))

”اور قربانی کا جانور ذبح کرنا اس کی قیمت صدقہ کر دینے سے افضل ہے کیونکہ

اس میں سنت کا احیاء اور اس کا اظہار ہے اور نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی

اقتداء ہے۔“ (۲)

(۱) [المغنی (۳۶۱/۱۳)]

(۲) [فتاویٰ اسلامیة (۳۲۱/۲)]

قربانی کا گوشت کیسے تقسیم کیا جائے؟

بعض علماء نے کہا ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ خود کھایا جائے، دوسرا حصہ اپنے اقرباء اور دوست احباب وغیرہ کو کھلایا جائے اور تیسرا حصہ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ان حضرات نے حضرت ابن عمرؓ کے اس اثر سے استدلال کیا ہے:

((عن ابن عمرؓ قال : الضجایا والهدایا ثلث لك وثلث لأهلك

وثلث للمساکین))

”حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ قربانیوں کا تیسرا حصہ تمہارے لیے ہے اور تیسرا حصہ تمہارے گھر والوں کے لیے ہے اور تیسرا حصہ مساکین کے لیے ہے۔“ (۱)

اگرچہ علماء نے اس تقسیم کو افضل کہا ہے لیکن یہ تقسیم ضروری نہیں ہے بلکہ حسب ضرورت حالات کے مطابق بھی گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی اگر فقراء و مساکین زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت صدقہ کر دینا چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ لوگ اکثر و بیشتر خوشحال ہوں تو زیادہ گوشت خود بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اسی طرح آئندہ ایام کے لیے ذخیرہ بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ قرآن میں مطلقاً قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالْبُذْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ [الحج : ۳۶]

”قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں ان میں

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی ابن قدامة (۳۷۹/۱۳)]

تمہیں نفع ہے پس انہیں کھا کر ان پر اللہ کا نام لو پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں (یعنی سارا خون نکل جائے اور وہ بے روح ہو کر زمین پر گر جائیں تو) اسے (خود بھی) کھاؤ اور مسکین، سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔“

ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا النَّبِيَّ الْفَقِيرَ﴾

”اپنے فائدے حاصل کرنے کے لیے آجائیں اور ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں۔ پس تم خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔“

درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ حسب ضرورت قربانی کا گوشت کھایا اور کھلایا جاسکتا ہے البتہ تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے خاص مصلحت کے تحت ابتدائے اسلام میں منع فرمادیا تھا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ أنه قال : لا یأکل أحد من لحم أضحیته فوق ثلاثة أيام))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی بھی اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے اوپر نہ کھائے۔“ (۱)

لیکن پھر اس کی اجازت دے دی تھی جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

((عن سلمة بن الأكوع رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال : من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثلاثة وبقی فی بیته منه شیء، فلما کان العام المقبل قالو یا رسول الله ﷺ ! نفعل کما فعلنا العام الماضي؟ قال : کلوا وأطعموا وادخروا فإن ذلک العام کان بالناس جهد فأردت أن تعینوا فیها))

(۱) [مسلم (۵۱۰۰) کتاب الأضاحی : باب بیان ما کان من النهی عن أکل لحم الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء]

”حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جو قربانی کرے تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس میں سے کوئی چیز باقی نہ ہو۔ پس اگلے سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس سال بھی ہم اسی طرح کریں جس طرح ہم نے گذشتہ سال کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ بے شک اُس سال لوگ مشقت میں تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ تم ان کی مدد کرو۔“ (۱)

مذکورہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین یا دو حصے بنا کر تقسیم کرنا ضروری نہیں بلکہ حالات کے مطابق کسی بھی طریقے سے گوشت کھایا اور کھلایا جاسکتا ہے اور ذخیرہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((ويجوز ادخار لحوم الأضاحی فوق ثلاث))

”تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت ذخیرہ کرنا جائز ہے۔“ (۲)

کیا غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے؟

غیر مسلم اگر مستحق ہو تو اسے بھی قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے کیونکہ شریعت میں غیر مسلموں سے تالیف قلب کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ فرض زکاۃ کے مصارف میں سے ایک مستقل مصرف ہی یہی مقرر کر دیا گیا ہے اور اس سے ممانعت بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

(۱) [بخاری (۵۵۶۹) کتاب الأضاحی : باب ما یوکل من لحوم الأضاحی وما یزود

منہا ؛ مسلم (۵۱۰۹) کتاب الأضاحی : باب بیان ما کان من النهی عن أکل لحوم

الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام]

(۲) [المغنی (۳۸۱/۱۳)]

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((ويجوز أن يطعم منها كافرا وبهذا قال الحسن وأبو ثور
وأصحاب الرأي))

”اور یہ جائز ہے کہ کوئی قربانی کے گوشت سے کسی کافر کو کھلائے اور امام حسنؒ، امام ابو
ثورؒ اور اصحاب الرائے بھی اسی کے قائل ہیں۔“ (۱)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((يستحب في الأضحية تجزئة لحمها أثلاثا ثلث لصاحبها وثلث
لصديقه وثلث للمساكين ويجوز أن يعطى الكافر منها لفقره أو قرابته أو
جواره أو تاليف قلبه))

”قربانی میں مستحب یہ ہے کہ اس کے گوشت کے تین حصے بنائے جائیں: ایک تہائی
قربانی کرنے والے کے لیے، ایک تہائی اس کے دوست احباب کے لیے، اور ایک تہائی
مساکین کے لیے اور اس سے کافر کو دینا بھی جائز ہے اُس کے فقر کی وجہ سے یا اُس کی قرابت
داری کی وجہ سے یا اُس کی ہمسائیگی کی وجہ سے یا اُس کی تالیف قلب کی وجہ سے۔“ (۲)

قربانی کی کھالوں کا مصرف

قربانی کی کھالوں کا بھی وہی مصرف ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے یعنی جیسے قربانی کا
گوشت خود بھی کھایا جاسکتا ہے دوسروں کو بھی کھلایا جاسکتا ہے اور صدقہ بھی کیا جاسکتا ہے اسی
طرح کھال کو خود بھی استعمال کیا جاسکتا ہے کسی دوسرے کو بھی استعمال کے لیے دی جاسکتی
ہے اور صدقہ بھی کی جاسکتی ہے کیونکہ اس کے استعمال کا کوئی الگ طریقہ کتاب و سنت میں
موجود نہیں ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

(۱) [المغنی (۳۸۱/۱۳)]

(۲) [فتاویٰ اسلامیة (۳۲۴/۲)]

((دف أهل آيات من أهل البادية حضرة الأضحى زمن رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ: ادخروا ثلاثاً ثم تصدقوا بقي، فلما كان بعد ذلك قالوا يا رسول الله! إن الناس يتخذون الأسقية من ضحاياهم ويحملون فيها الودك فقال رسول الله ﷺ: وما ذاك؟ قالوا نهيت أن توكل لحوم الضحايا بعد ثلاث فقال: إنما نهيتكم من أجل الدافة التي دخت فكلوا وادخروا وصدقوا))

”رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قربانی کے وقت اہل بادیہ کے کچھ گھر (مدینہ میں) آباد ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین دن تک قربانی کا گوشت ذخیرہ کرو پھر باقی صدقہ کر دو۔ پس جب اس سے اگلا سال آیا تو لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! بلاشبہ لوگ قربانیوں سے مشکیزے بناتے ہیں اور ان میں چربی پگھلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا آپ نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں صرف ان لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا جو باہر سے آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے اب تم کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔“ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھالوں کا بھی وہی مصرف ہے جو گوشت کا ہے کیونکہ اس حدیث میں نبی ﷺ نے مطلق طور پر یہ فرمایا ہے کہ قربانیوں سے کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔ اس لیے کھال کو خود استعمال کر لینا چاہیے مثلاً بطور مصلیٰ یا بطور چٹائی وغیرہ جیسا کہ صحابہ نے مشکیزے بنا لیے تھے۔ یا کسی دوست کو استعمال کے لیے دے دینی چاہیے یا صدقہ کر دینی چاہیے۔

کیا قربانی کا گوشت یا کھال فروخت کی جاسکتی ہے؟

نہ تو قربانی کا گوشت فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی کھال فروخت کی

(۱) [مسلم (۵۱۰۳) کتاب الأضاحی: باب بیان ما کان من النهی عن أكل لحوم

الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام و بیان نسخه و إباحته إلی متی شاء]

جاسکتی ہے کیونکہ شریعت نے انہیں استعمال کرنے کا جو طریقہ بتلایا ہے فروخت کرنا اس میں شامل نہیں۔

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وجملة ذلك أنه لا يجوز بيع شيء من الأضحية للاحمها ولا جلدها واجبة كانت أو تطوعا لأنها تعينت بالذبح))

”مجملہ قربانی کی کسی چیز کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں نہ تو اس کا گوشت اور نہ ہی اس کا چمڑا خواہ قربانی واجب ہو یا نقلی ہو کیونکہ وہ ذبح کے ساتھ متعین ہو چکی ہے۔“ (۱)

امام احمدؒ کا فتویٰ:

((لا يبيعهها ولا يبيع شيئا منها وقال سبحان الله كيف يبيعهها وقد جعلها لله تبارك وتعالى))

”وہ اسے (یعنی قربانی کے جانور کو) فروخت نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی چیز (گوشت یا کھال وغیرہ) فروخت کر سکتا ہے اور (امام احمدؒ) مزید فرماتے ہیں کہ ”سبحان اللہ“ وہ اسے کیسے فروخت کر سکتا ہے جبکہ وہ اسے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے مقرر کر چکا ہے۔“ (۲)

کیا قربانی کا گوشت یا کھال قصائی کو بطور اجرت دی جاسکتی ہے؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ

((عن علي رضي الله عنه قال أمرني رسول الله ﷺ أن أتصدق بجلال البدن التي نحرت وبعجلودها))

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا

(۱) [المغنی (۳۸۲/۱۳)]

(۲) [أيضا]

کہ میں ان قربانی کے جانوروں کے جھول اور ان کے چمڑے صدقہ کر دوں جن کی قربانی میں نے کر دی تھی۔“ (۱)
اور صحیح مسلم میں ہے کہ

((عن علی رضی اللہ عنہما قال أمرنی رسول اللہ ﷺ أن أقوم علی بدنه وأن أتصدق بلحمها وجلودها وأجلتها وأن لا أعطی الحزار منها وقال نحس نعطیه من عندنا))

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے علم دیا کہ میں آپ ﷺ کی قربانیوں کی نگرانی کروں اور میں ان قربانیوں کا گوشت اور ان کے چمڑے اور ان کی جلیں صدقہ کر دوں اور ان سے (کچھ بھی) قصائی کو نہ دوں“ اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ہم اسے (قصائی کو) اپنے پاس سے (معاوضہ) دیا کرتے تھے۔“ (۲)
ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں کی ہر چیز حتیٰ کہ جل تک بھی صدقہ کر دی جائے اور قصائی کو ان میں سے بطور اجرت کچھ نہ دیا جائے بلکہ اجرت علیحدہ دے دینی چاہیے۔

زندہ افراد کی طرف سے قربانی

اپنے علاوہ دیگر زندہ افراد کی طرف سے قربانی کرنا بالاتفاق جائز و مباح ہے اور اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

((عن عائشہ رضی اللہ عنہا ضحی رسول اللہ ﷺ عن أزواجه بالبقرة))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف

(۱) [بخاری (۱۷۰۷) کتاب الحج : باب الجلال للبدن]

(۲) [مسلم (۳۱۸۰) کتاب الحج : باب الصدقة بلحم الهدایا وجلودها وجلالها وأن

لاعطی الحزار منها شیئا وجواز الاستنابة فی القيام علیها]

سے گائے کی قربانی کی۔“ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

((عن عطاء بن یسار قال سألت ابا یوب الأنصاری کیف کانت

الضحایا فیکم علی عهد رسول اللہ ﷺ قال کان الرجل فی عهد النبی ﷺ یضحی بالشاة عنه وعن أهل بیته فیاکلون ویطعمون))

”عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو یوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قربانی کیسے ہوتی تھی تو انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا وہ (اسے) کھاتے تھے اور کھلاتے تھے۔“ (۲)

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی زندہ افراد یعنی گھر والے یا دوست احباب وغیرہ کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو جائز ہے۔

میت کی طرف سے قربانی

اس کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) قربانی تو زندہ افراد کی طرف سے کی جائے لیکن اس میں فوت شدگان کو بھی شریک کر لیا جائے یہ جائز ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

((عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ ﷺ أمر بکبش أقرن یطأ فی سواد ویرک فی سواد وینظر فی سواد فأتی به لیضحی به قال لعائشة هلمی المدیة ثم قال اشحذبها بحجر ففعلت ثم أخذها وأخذ بکبش فأضحجه ثم قال : بسم الله

(۱) [بخاری (۵۵۴۸) کتاب الأضاحی : باب الأضحیة للمسافر والنساء]

(۲) [ترمذی (۱۵۰۵) کتاب الأضاحی : باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل

بیت ابن ماجة (۳۱۴۷) کتاب الأضاحی : باب من ضحی بشاة عن أهله مؤطا

(۴۷۶/۲) شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجة (۲۵۴۶)]

اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد، ثم ضحى به))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگ والا ایک مینڈھالانے کا حکم دیا جس کے ہاتھ پاؤں پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں وہ جانور آپ کے پاس قربانی کے لیے لایا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا چھری لاؤ پھر کہا اسے کسی پتھر کے ساتھ تیز کرو انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر آپ ﷺ نے چھری پکڑ لی اور مینڈھے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا پھر فرمایا: اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ! محمد آل محمد اور امت محمدی کی طرف سے (اسے) قبول فرما، پھر اسے ذبح کر دیا۔“ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس دو سینگوں والے چتکبرے بڑے بڑے، خصی مینڈھے لائے گئے آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے ایک کو لٹایا اور پھر کہا:

((بسم الله والله أكبر عن محمد وأمة من شهد الله بالتوحيد وشهد

لى بالبلاغ))

”اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے“ (یہ جانور) محمد کی طرف سے اور اس کی امت میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دی اور میرے لیے پیغام پہنچانے کی گواہی دی، کی طرف سے (قبول فرما)۔“ (۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے قربانی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ پوری امت کو بھی شریک کیا اور یقیناً اس وقت آپ ﷺ کی امت کے کئی افراد فوت ہو چکے

(۱) [مسلم (۵۰۹۱) کتاب الأضاحی: باب استحباب استحسان الضحیة ذبحها

مباشرة بلا توکیل والتسمیة والتکبیر]

(۲) [إرواء الغلیل (۲۵۱/۴)]

تھے لہذا ثابت ہوا کہ اپنی قربانی میں فوت شدگان کو بھی شریک کیا جاسکتا ہے۔ شیخ ابن بازؒ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ:

((الأضحیة مشروعة عن الحي والميت لأن النبي ﷺ كان يضحى بالشاة الواحدة عنه وعن آل بيته في المدينة وبعضهم متوفى كخديجة رضي الله عنها وبنتية رقية وأم كلثوم رضي الله عنهما ولأنها صدقة وقربة فأشبهت بقية الصدقات وهي عن الحي أكد لفعله ﷺ وقوله ﷺ: إذا دخل شهر ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحى فلا يأخذ من شعره ولا من ظفره شيئا، خرجه مسلم في صحيحه من حديث أم سلمة رضي الله عنها))

”قربانی زندہ اور مردہ کی طرف سے مشروع ہے کیونکہ نبی ﷺ مدینہ میں ایک بکری اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کرتے تھے حالانکہ ان میں بعض فوت ہو چکے تھے جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی دو بیٹیاں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت أم کلثوم رضی اللہ عنہا اور اس لیے بھی مشروع ہے کہ یہ صدقہ اور قربت ہے پس یہ بقیہ صدقات کے مشابہ ہو گئی اور یہ زندہ افراد کی طرف سے زیادہ مؤکد ہے آپ ﷺ کے فعل کی وجہ سے اور آپ ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ ”جب ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بالوں اور اپنے ناخنوں سے کچھ نہ کاٹے۔“ اسے امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں حضرت أم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تخریج کیا ہے۔“ (۱)

شیخ ابن تیمیہؒ کا فتویٰ:

میت کے لیے قربانی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) [فتاویٰ اسلامیة (۲/۳۲۱)]

1- ((أن يكون ذبحاً شرعياً وذلك ما يذبح في عيد الأضحى تقرباً إلى الله عز وجل، ويجعل ثوابه للميت فهذا لا بأس به، على أن الأفضل من هذا أن يضحى الإنسان عنه وعن أهل بيته وينوى بذلك الحي والميت، فيدخل الميت تبعاً، لأن النبي ﷺ لم يضح عن أحد مات من أهله، فقد مات له ﷺ ثلاث بنات، زينب وأم كلثوم ورقية رضی اللہ عنہن، ولم يضح عنهن، وكذلك خديجة وهي من أحب النساء إليه ولم يضح لها، وكذا عمه حمزة قتل شهيداً في أحد ولم يضح عنه، ولكنه ﷺ ضحى عنه وعن أهل بيته))

”یہ کہ شرعی قربانی ہو اور وہ یہ ہے کہ جو عید الاضحیٰ میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کی جاتی ہے اور اس کا ثواب میت کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس سے بھی افضل یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرے اور اس کے ساتھ زندہ اور مردہ (افراد) کی بھی نیت کر لے تو جمعاً میت بھی اس میں شامل ہو جائے گی کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے گھر کے فوت شدگان میں سے کسی کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ آپ ﷺ کی تین بیٹیاں، ”زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہن“ فوت ہوئیں لیکن آپ ﷺ نے ان کی طرف سے قربانی نہیں کی اور اسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا جو آپ کو بیویوں میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، آپ نے ان کے لیے بھی قربانی نہیں کی، اور اسی طرح آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، جو جنگ احد میں شہید کر دیے گئے آپ نے ان کی طرف سے بھی قربانی نہیں کی۔ ہاں لیکن آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کی ہے۔“

2- ((الذبح عن الميت كما يفعله بعض الجهال يذبح له في اليوم السابع من موته، أو في اليوم الأربعين من موته، أو اليوم الثالث من موته، فهذه بدعة ولا تجوز لأنها إضاعة مال في غير فائدة لا دينية ولا دنيوية، بل في مضرة دينية،

والبدع كلها ضلالة كما قال ﷺ: كل بدعة ضلالة، والله الموفق))

”میت کی طرف سے جانور ذبح کرنا جیسا کہ بعض جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں میت کے لیے اس کی وفات کے ساتویں روز جانور ذبح کیا جاتا ہے یا اس کی وفات کے چالیسویں روز یا اس کی وفات کے تیسرے روز یہ بدعت ہے اور جائز نہیں کیونکہ یہ ایسے بے فائدہ کام میں مال کا ضیاع ہے جس میں نہ تو دینی فائدہ ہے اور نہ دنیاوی، بلکہ دینی نقصان میں (مال کا ضیاع ہے) اور تمام بدعتیں گمراہی ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (واللہ الموفق) (۱)

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی فوت ہونے سے پہلے اپنے ثلث مال میں سے قربانی کرنے کی وصیت کر جائے یا ایک خاص رقم اس غرض سے وقف کر جائے تو میت کے ورثاء پر لازم ہے کہ اس کے تر کے میں سے اس کی طرف سے لازماً قربانی کریں کیونکہ قربانی کے بقدر مال وقف کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے اس میں بندوں کا کوئی حق نہیں اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے صرف کرنا بہر صورت ضروری ہے جیسا کہ وقف کے متعلق ایک حدیث میں ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: أصاب عمر رضی اللہ عنہ بخير أرضا، فأتى النبي ﷺ قال: أصبت أرضا لم أصب مالا قط أنفس منه، فكيف تأمرني به؟ قال: ”إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها“ فتصدق عمر أنه لا يباع أصلها ولا يوهب ولا يورث في الفقراء والرقاب وفي سبيل الله والضيف وابن السبيل، لا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف أو يطعم صديقا غير متمول فيه))

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی (جس کا نام ثغ تھا) تو آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض

کیا کہ مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا، آپ اس کے بارے میں مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاہے تو اصل جائیداد اپنے قبضے میں روک رکھ اور اس کے منافع کو خیرات کر دے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط کے ساتھ صدقہ (وقف) کیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں کسی کو ملے اور فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرانے، اللہ کے راستے (کے مجاہدوں) مہمانوں اور مسافروں کے لیے (وقف) ہے جو شخص بھی اس کا متولی ہو اگر دستور کے مطابق اس میں سے کھائے یا اپنے کسی دوست کو کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ مال جمع کرنے کا ارادہ نہ ہو۔“ (۱)

(3) تیسری صورت یہ ہے کہ جانور قربان کر کے سارا جانور ہی صدقہ کر دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ چند ایک حسب ذیل ہیں:

1- ((عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رجلاً قال للنبي ﷺ: إن أبي مات وترك مالا ولم يوص، فهل يكفر عنه إن تصدق عنه؟ قال: "نعم"))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا میرا والد فوت ہو گیا ہے اور اس نے مال چھوڑا ہے لیکن وصیت نہیں کی اگر اس کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے تو کیا یہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ بن جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں۔“ (۲)

2- ((عن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً أتى النبي ﷺ: فقال يا رسول الله! إن أمي افلستت نفسها، ولم توص، وأظنها لو تكلمت تصدقت، أفلها أجر إن تصدقت))

(۱) [بخاری (۲۷۷۲) کتاب الوصایا: باب الوقف کیف یکتب؟]

(۲) [مسلم (۴۲۱۹) کتاب الوصیة: باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت]

عنها؟ قال: ”نعم“))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! بے شک میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہے اور اس نے وصیت نہیں کی، میں اس کے متعلق گمان کرتا ہوں کہ اگر وہ کچھ بولتی تو صدقہ کر دیتی۔ تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو اسے اجر ملے گا؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں۔“ (۱)

(4) چوتھی صورت یہ ہے کہ صرف میت کی طرف سے ہی قربانی کی جائے جیسا کہ آج کل عام رواج ہے کہ کوئی اپنے والد کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس کا الگ جانور خریدتا ہے جو کہ صرف والد کی طرف سے قربان کیا جاتا ہے حالانکہ اس کا شریعت میں کہیں ثبوت نہیں ملتا اس لیے اس عمل سے اجتناب ہی بہتر ہے علاوہ ازیں اگر میت کی طرف سے قربانی کرنی ہو تو پہلی تینوں صورتوں میں سے کسی کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

والدین کی طرف سے قربانی

شیخ ابن عثیمینؒ کا فتویٰ:

((الاستغفار للوالدین وهم أحياء جائز، وهو أفضل من الأضحیة، ولكن الإنسان إذا ضحى عن نفسه وعن أهله الأحياء منهم والأموات أضحیة واحدة كفت، ولم يرد عن النبي ﷺ أنه ضحى عن أحد من أهله وإنما ضحى عن نفسه وأشرك فيها أهله الأحياء والأموات))

”والدین کے لیے استغفار کرنا جبکہ وہ زندہ ہوں جائز ہے اور یہ قربانی سے افضل ہے لیکن اگر انسان اپنی طرف سے اور اپنے بقید حیات اور فوت شدہ گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کر دے تو کافی ہو جائے گی۔ نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے اپنے گھر والوں میں سے (فوت شدہ) کسی ایک کی طرف سے بھی قربانی کی ہو۔ ہاں

(۱) [مسلم (۴۲۲۱) کتاب الوصیة : باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت]

(اتنا ضرور ہے کہ) آپ ﷺ نے اپنی طرف سے قربانی کی اور اس میں اپنے زندہ اور فوت شدہ گھروالوں کو بھی شریک کر لیا۔“ (۱)

سود کے مال سے قربانی کا حکم

جیسا کہ ابتداء میں شرائط قربانی کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قربانی پاکیزہ مال سے کرنی چاہیے، حرام مال سے کی ہوئی قربانی قبول نہیں ہوتی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: أيها الناس! إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين فقال: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ [المؤمنون: ۵۱] وقال: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرة: ۱۷۲] ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يارب! يارب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام فأنى يستجاب لذلك؟))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! بیشک اللہ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے۔ فرمایا ”اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو بیشک میں اس کا علم رکھتا ہوں جو تم عمل کرتے ہو“ اور فرمایا ”اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔“

پھر آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ آدمی لمبا سفر کرتا ہے سر پر اگندہ ہے، قدم غبار آلود ہیں وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے) اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! لیکن اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا پہنا حرام ہے، اور حرام

(۱) [فتاویٰ منار الإسلام (۲/۴۱۵)]

سے اسے غذا دی جاتی ہے تو کیسے اس کی دعا قبول کی جائے؟“ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

((لا تقبل صلاة بغير طهور ولا صدقة من غلول))

”وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی صدقہ خیانت کے مال (یعنی حرام مال)

سے قبول ہوتا ہے۔“ (۲)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جیسے وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اسی طرح حرام مال سے کیا ہوا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ سود کا مال بھی حرام ہے جیسا کہ اس کی حرمت کے اثبات میں مندرجہ ذیل دلائل کافی ہیں:

(1) ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة: ۲۷۵] ”اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔“

(2) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ [آل عمران: ۱۳]

”اے ایمان والو! یہ بڑھتا چڑھتا سود مت کھاؤ۔“

(3) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [البقرة: ۲۷۹]

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جو سود (لوگوں پر) باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔“

(4) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

(۱) [مسلم (۲۳۴۶) کتاب الزکاة: باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتريتها]

(۲) [مسلم (۵۳۵) کتاب الطہارۃ: باب وجوب الطہارۃ للصلاة]

((لعن رسول اللہ ﷺ آكل الربا وموكله و كاتبه و شاهده و قال :

هم سواء))

”رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔“ (۱)

ثابت ہوا کہ سود کا مال حرام ہے اور حرام مال سے قربانی قبول نہیں ہوتی لہذا سود کے مال سے بھی قربانی قبول نہیں ہوگی۔

بے نمازی قربانی

یہ بات ثابت ہے کہ جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا شخص کافر ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل اس پر شاہد ہیں:

(۱) مشرکین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ﴾

[التوبة: ۱۱]

”اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز قائم کر لیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔“

اس آیت سے از خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمہارے دینی بھائی نہیں ہیں اور یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دینی بھائی چارہ صرف اسلام سے خارج ہونے سے ہی ختم ہوتا ہے۔

(۲) ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الروم: ۳۱]

”نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔“ اس آیت کا یقیناً مفہوم یہی ہے کہ جو

(۱) [مسلم (۴۰۹۳)] کتاب البیوع: باب لعن آكل الربا وموكله، بیہقی (۲۷۵/۵) ابو

یعلیٰ (۳۷۷/۳)

نماز چھوڑ دیتا ہے وہ مشرکوں میں سے ہے۔

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بين الرجل و بين الكفر و الشرك ترك الصلاة))

”کفر و شرک اور (مسلمان) بندے کے درمیان فرق نماز کا چھوڑ دینا ہے۔“ (۱)

(4) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بين العبد و بين الكفر و الإيمان الصلاة فإذا تركها فقد أشرك))

”بندے اور کفر و ایمان کے درمیان (فرق کرنے والی) نماز ہے پس جب اس نے

اسے ترک کر دیا تو اس نے شرک کیا۔“ (۲)

(5) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((العهد الذى بيننا وبينهم الصلاة فمن تركها فقد كفر))

”ہمارے اور کافروں کے درمیان عہد نماز ہے جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے

کفر کیا۔“ (۳)

(6) حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ولا تترك صلاة مكتوبة متعمدا فمن تركها متعمدا فقد برئت منه الذمة))

(۱) [مسلم (۸۲) کتاب الإيمان: باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة،

أحمد (۳۷۰/۱۳) دارمی (۲۸۰/۱) أبو داود (۴۶۷۸) ترمذی (۲۶۱۸) ابن ماجہ

(۱۰۷۸) الحلیة لأبى نعیم (۲۵۶/۸) بیہقی (۳۶۶/۳)]

(۲) [شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي (۸۲۲/۴)] اس کی صحیح مسلم کی

شرط پر صحیح ہے۔ نیز امام منذریؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [التريغيب والترهيب (۳۷۹/۱)]

(۳) [ترمذی (۲۶۲۱) کتاب الإيمان: باب ما جاء فى ترك الصلاة، أحمد (۳۴۶/۵)

نسائی (۲۳۱/۱) ابن ماجہ (۱۰۷۹) حاکم (۶/۱) ابن أبى شيبة (۳۴۱/۱) دارقطنی

(۵۲/۲) بیہقی (۳۶۶/۳) التمهيد لابن عبد البر (۲۲۴/۷)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا

ہے۔ [صحیح ابن ماجہ (۸۸۴) المشكاة (۵۷۴)]

”تم فرض نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑو پس جس شخص نے فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی تو اس سے امن وامان کا ذمہ ختم ہو گیا۔“ (۱)

(7) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((من حافظ علیہا کانت لہ نورا و برہانا و نجات یوم القیمة و من لم یحافظ علیہا لم تکن لہ نورا ولا برہانا ولا نجات و کان یوم القیمة مع قارون و فرعون و ہامان و ابی بن خلف))

”جس شخص نے نماز کی حفاظت کی، نماز اس کے لیے روشنی، دلیل اور قیامت کے دن نجات کا باعث ہوگی اور جس شخص نے نماز کی حفاظت نہ کی تو نماز اس کے لیے روشنی، دلیل اور نجات کا باعث نہیں ہوگی بلکہ وہ شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔“ (۲)

(8) حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((کان أصحاب رسول اللہ ﷺ لا یرون شیئا من الأعمال ترکہ کفر غیر الصلاة))

”رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نماز کے علاوہ اعمال میں سے کسی چیز کو چھوڑنا بھی کفر نہیں سمجھتے تھے۔“ (۳)

(۱) [ابن ماجہ (۴۰۳۴) کتاب الفتن: باب الصبر علی البلاء] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [المشکاة (۵۸۰)]

(۲) [أحمد (۱۶۹/۲) دارمی (۳۰۱/۲) مجمع البحرین (۵۲۸) موارد (۲۵۴) مشکل الآثار (۲۲۹/۴) اس کی سند جید ہے۔ شیخ البانی ”قطرا ہیں کہ امام منذری نے اس حدیث کی سند صحیح کہا ہے۔ [المشکاة (۵۷۸)]

(۳) [ترمذی (۲۶۲۲) کتاب الإیمان: باب ما جاء فی ترک الصلاة، حاکم (۷/۱) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [المشکاة (۵۷۹)]

(9) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((لاحظ في الإسلام لمن ترك الصلاة))

”نماز چھوڑنے والے کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔“ (۱)

جمہور علما کا موقف یہ ہے کہ وجوب کا اعتقاد رکھتے ہوئے محض تساہل و تکاسل کے باعث اگر نماز چھوڑ دے تو وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ فاسق ہو جائے گا، اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ شادی شدہ زانی کی طرح اسے بطور حد قتل کر دیا جائے گا نیز اسے تلوار کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ بے نماز کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا۔ (۲)

معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے اور اگر استطاعت ہو تو اسے قتل کیا جائے گا جیسا کہ مزید اس کے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة))

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔“ (۳)

(2) اسی حدیث کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف

(۱) مؤطا (۷۴) کتاب الطہارۃ : باب العمل فیمن غلبہ الدم من جرح أو عاف

(۲) [الأم (۴۲۴/۱) الحاوی (۵۲۵/۲) روضة الطالبین (۶۶۸/۱) المغنی (۳۵۱/۳)

الإنصاف (۴۰۱/۱) القوانين الفقهية (ص/۴۲) مغنی المحتاج (۳۲۷/۱)

(۳) [بخاری (۲۵) کتاب الإیمان : باب فان تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزکوٰۃ.....

مسلم (۲۲) دارقطنی (۲۳۲/۱) بیہقی (۹۲/۳) ابن حبان (۱۷۴) حاکم

(۳۸۷/۱) دارقطنی (۲۳۱/۱) ابن ماجہ (۳۹۲۷)

قتال کیا۔ (۱)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

”جو شخص نماز چھوڑ دے پھر اس چھوڑنے پر مصر و قائم رہے اور پھر ایسی حالت میں ہی

فوت ہو جائے تو وہ کافر فوت ہوا ہے۔ (۲)

امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ

”حق بات یہی ہے کہ ایسا شخص کافر ہے اور قتل کا مستحق ہے۔“ (۳)

امام نوویؒ بیان کرتے ہیں کہ

”اگر کوئی شخص نماز چھوڑ دے اس کے اور کفر کے درمیان کوئی حائل باقی نہیں

رہ جاتا۔“ (۴)

شیخ ابن جبرینؒ کا فتویٰ:

”جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس پر کفر کا ہی حکم لگایا جائے گا۔“ (۵)

سعودی مجلس افتاء فتویٰ:

جو شخص سستی و کوتاہی سے (عمداً بلا عذر) نماز چھوڑ دیتا ہے علماء کے اقوال میں سے

صحیح یہی ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (۶)

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ بے نماز اسلام سے خارج ہے لہذا اس کی قربانی ہی

نہیں بلکہ کوئی بھی عبادت قبول نہیں۔

(۱) [نسائی (۷-۷) أبو یعلیٰ (۶۸) ابن خزيمة (۲۴۴۷) حاکم (۳۶۸/۱) مجمع

الزوائد (۳۰/۱)]

(۲) [الصارم المسلول (۵۵۴) مجموع الفتاویٰ (۹۷/۲۰)]

(۳) [نیل الأوطار (۴۲۴/۱)]

(۴) [شرح مسلم للنووی (۱۷۸/۴)]

(۵) [فتاویٰ اسلامیة (۲۹۶/۱)]

(۶) [فتاویٰ اسلامیة (۳۱۱/۱-۳۱۲)]

کیا مقروض شخص قربانی کر سکتا ہے؟

شریعت سے کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مقروض شخص قربانی نہیں کر سکتا ہاں اتنا ضرور ہے کہ قرض لینے کے بعد اسے جلد از جلد اتارنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر مقروض شخص قربانی کرے گا تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی بلکہ قربانی عبادت ہے اور نبی ﷺ کی سنت ہے اس لیے اگر مقروض شخص بھی قربانی جیسی عبادت کے ذریعے تقرب الہی حاصل کر سکتا ہے تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

قربانی اور منکرین حدیث

چونکہ قرآن میں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں ہوا ہے اس لیے منکرین حدیث نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہے دیگر مسلمانوں کے لیے مشروع نہیں، لیکن یہ بات اس لیے درست نہیں کیونکہ کتاب و سنت میں متعدد مقامات پر قربانی کا حکم مطلق طور پر مذکور ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرْ﴾ [الکوثر: ۲]

”اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔“

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أَضْحِيَّةٌ))

”اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی مشروع ہے۔“ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر سال ہر گھر والوں کے لیے قربانی مشروع ہے اور یقیناً

(۱) [ابو داؤد (۲۷۸۸) کتاب الضحایا: باب ماجاء فی إیحاب الأضحیٰ، ترمذی

(۱۵۱۸) نسائی (۱۶۷/۷) ابن ماجہ (۳۱۲۵) احمد (۲۱۵/۴) شیخ البانی نے اس

حدیث کو حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۲۴۲۱)]

ہر گھر والے حج کے لیے نہیں گئے ہوتے لہذا منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے۔

دارالحرب میں قربانی کا حکم

قربانی سنت مؤکدہ ہے اور باعث اجر و ثواب ہے اس لیے اگر دارالحرب میں بھی قربانی کی اجازت ہو تو ضرور قربانی کرنی چاہیے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو قربانی نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ قربانی سنت ہے واجب نہیں اور مزید اس صورت میں اضطراری حالت بھی ہے اور ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی صادق آتا ہے کہ

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶]

”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“

کیا قربانی معاشی نقصان کا باعث ہے؟

فی الحقیقت یہ سوال ایسے لوگوں کا اٹھایا ہوا ہے جو مغرب زدہ مادہ پرست ہیں اور ہر عمل کو معاشی مفاد کے ساتھ تولتے ہیں ان کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودی رقمطراز ہیں کہ

”در اصل اس وقت قربانی کی جو مخالفت کی جا رہی ہے اس کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ کسی نے علمی طریقے پر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا ہو اور اس میں قربانی کا حکم نہ پایا ہو بلکہ اس مخالفت کی حقیقی بنیاد صرف یہ ہے کہ اس مادہ پرستی کے دور میں لوگوں کے دل و دماغ پر معاشی مفاد کی اہمیت بری طرح مسلط ہو گئی ہے اور معاشی قدر کے سوا کسی چیز کی کوئی دوسری قدر ان کی نگاہ میں باقی نہیں رہی ہے۔ وہ حساب لگا کر دیکھتے ہیں کہ ہر سال کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ مسلمان قربانی کرتے ہیں اور اس پر اوسطاً کس کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس حساب سے ان کے سامنے قربانی کے مجموعی خرچ کی ایک بہت بڑی رقم آتی ہے اور وہ چیخ اٹھتے ہیں کہ اتنا روپیہ محض جانوروں کی قربانی پر ضائع کیا جا رہا ہے حالانکہ اگر یہی رقم قومی اداروں یا معاشی منصوبوں پر صرف کی جاتی تو اس سے بے شمار فائدے حاصل ہو سکتے تھے۔“

مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ایک سراسر غلط ذہنیت ہے جو غیر اسلامی انداز فکر سے ہمارے اندر پرورش پا رہی ہے۔ اگر اس کو اسی طرح نشوونما پانے دیا گیا تو کل ٹھیک اسی طریقے سے استدلال کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ہر سال اتنے لاکھ مسلمان اوسطاً اتارو پیہ سفر حج پر صرف کر دیتے ہیں جو مجموعی طور پر اتنے کروڑ روپیہ بنتا ہے، محض چند مقامات کی زیارت پر اتنی خطیر رقم سالانہ صرف کر دینے کے بجائے کیوں نہ اسے بھی قومی اداروں اور معاشی منصوبوں اور ملکی دفاع پر خرچ کیا جائے۔ یہ محض ایک فرضی قیاس ہی نہیں ہے بلکہ فی الواقع اسی ذہنیت کے زیر اثر ترکیب کی لادینی حکومت نے 25 سال تک حج بند کیے رکھا ہے۔

پھر کوئی دوسرا شخص حساب لگائے گا کہ ہر روز اتنے کروڑ مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور اس میں اوسطاً فی کس اتنا وقت صرف ہوتا ہے جس کا مجموعہ اتنے لاکھ گھنٹوں تک جا پہنچتا ہے۔ اس وقت کو اگر کسی مفید معاشی کام میں استعمال کیا جاتا تو اس سے اتنی معاشی دولت پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن بڑا ہوان ملاؤں کا کہ انھوں نے مسلمانوں کو نماز میں لگا کر صدیوں سے انھیں اس قدر خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے یہ بھی کوئی فرضی قیاس نہیں ہے بلکہ فی الواقع سوویت روس میں بہت سے ناصحین، مشفقین نے وہاں کے مسلمانوں کو نماز کے معاشی نقصانات اسی منطق سے سمجھائے ہیں..... پھر یہی منطق روزے کے خلاف بھی بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان نری معیشت کی میزان پر تول کر اسلام کی ایک ایک چیز کو دیکھتا جائے گا اور ہر اس چیز کو ”ملاؤں کی ایجاد“ قرار دے کر ساقط کرتا چلا جائے گا جو اس میزان میں اس کو بے وزن نظر آئے گی۔ کیا فی الواقع اب مسلمانوں کے پاس اپنے دین کے احکام کو جانچنے کے لیے صرف ایک یہی معیار رہ گیا ہے۔ (۱)

(۱) [تفہیمات حصہ دوم ص ۲۵۲ تا ۲۶۲ طبع نهم نومبر 1981ء - تفہیم الأحادیث

مسائل حقیقیہ

مسائل عقیقہ

عقیقہ کا معنی و مفہوم

عقیقہ ایسے جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی طرف سے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔

صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ

((والعقيقة: صوف الجذع، والشاة التي تذبح عند حلق شعر المولود))
 ”اور عقیقہ کھیرے کی اون کو اور اس بکری کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کے بال منڈانے کے وقت ذبح کی جاتی ہے۔“ (۱)
 صاحب المعجم الوسيط نقل فرماتے ہیں کہ

((العقيقة: شعر كل مولود من الناس والبهائم ينبت وهو في بطن أمه والذبيحة التي تذبح عن المولود يوم سبوعه عند حلق شعره))

”عقیقہ (کی مختلف تعریفیں ہیں) (۱) ہر بچے کے وہ بال جو اسی وقت اگ آتے ہیں جب بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے خواہ وہ انسان کا بچہ ہو یا مویشیوں کا“ (۲)
 وہ جانور جسے نومولود بچے کی طرف سے پیدائش کے ساتویں روز اس کے بال منڈانے کے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔“ (۲)

عربی گرائمر میں عقیقہ کرنے کے لیے باب عَقَّ يَعُقُّ (بروزن نصر) استعمال ہوتا ہے۔ (۳)

(۱) [القاموس المحيط (ص/۸۳۹)]

(۲) [المعجم الوسيط (ص/۶۱۶)]

(۳) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المنجد (۵۶۹) تحفة الأحوذی (۸۵/۵) نیل الأوطار

(۳۹۸/۳) الفقه الإسلامي وأدلته (۲۷۴۵/۴)]

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ

((العقيقة : الذیحة التي تذبح عن المولود))

”عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے نو مولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے۔“ (۱)

امام ابن اثیر بیان کرتے ہیں کہ

((العقيقة : الذیحة التي تذبح عن المولود..... ويقال للشعر الذي يخرج

على رأس المولود من بطن أمه))

”عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے نو مولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے..... اور ان

بالوں کو بھی کہا جاتا ہے جو بچے کے سر پر اس کی ماں کے پیٹ میں ہی نکل آتے ہیں۔“ (۲)

عقیقہ کی مشروعیت

عقیقہ کرنا سنت مؤکدہ اور مستحب عمل ہے اس لیے جو شخص استطاعت رکھتا ہو اسے

چاہیے کہ اپنی اولاد کی طرف سے ضرور عقیقہ کرے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ((عن سلمان بن عامر رضي الله عنه: قال قال رسول الله ﷺ: مع الغلام عقيقة

فأهريقوا عنه دما وأميطوا عنه الأذى))

”حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بچے

کے ساتھ عقیقہ (لازم) ہے لہذا تم اس کی طرف سے قربانی کرو اور اس سے تکلیف دور

کرو (یعنی اس کا سر منڈاؤ)۔“ (۳)

(۲) ((عن سمرة رضي الله عنه: قال قال رسول الله ﷺ: كل غلام رهينة بعقيقته تذبح

(۱) [المعنى (۳۹۳/۱۳)]

(۲) [النهاية (۲۷۶/۳-۲۷۷)]

(۳) [بخاری (۵۴۷۲) كتاب العقيقة : باب إمطة الأذى عن الصبي في العقيقة، ابو داود

(۲۸۳۹) ترمذی (۱۵۱۵) ابن ماجة (۳۱۶۴) احمد (۱۷/۴) دارمی (۸۱/۲)

حمیدی (۸۲۳) شرح معانی الآثار (۴۵۹/۱) بیہقی (۲۹۹/۹)]

عنه يوم سابعه ويسمى فيه ويحلق رأسه))

”حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈائے جائیں۔“ (۱)

(3) ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من ولد له ولد فأحب أن ينسك عنه فلينسك))

”جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو ضرور قربانی کرے۔“ (۲)

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

((فالحاصل أن العقيقة سنة من سنن الإسلام))

”حاصل یہی ہے کہ عقیقہ اسلام کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔“ (۳)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((والعقيقة سنة في قول عامة أهل العلم منهم ابن عباس، وابن عمر، وعائشة وفقهاء التابعين وائمة الأمصار وأصحاب الرأى قالو: ليست سنة وهي من أمر الجاهلية))

”اور عقیقہ سنت ہے عام اہل علم جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن

(۱) [ابو داود (۲۸۳۸) کتاب الضحایا: باب فی العقیقہ، ترمذی (۱۵۲۲) ابن ماجہ (۳۱۶۵) نسائی (۱۶۶۷) ابن الجارود (۹۱۰) حاکم (۲۳۷/۴) احمد (۱۷/۵) دارمی (۸۱/۲) مشکل الآثار (۴۵۳/۱) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔] صحیح ابو داود (۲۴۶۳)

(۲) [ابو داود (۲۷۴۲) کتاب الضحایا: باب فی العقیقہ، احمد (۱۸۲/۲) نسائی (۱۶۲/۷) مشکل الآثار (۴۶۱/۱) حاکم (۲۳۸/۴)]

(۳) [السبل الجرار (۲۵۱/۳)]

عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، فقہائے تابعین اور ائمہ اہل تشیعہ شامل ہیں، کا یہی قول ہے مگر اصحاب الرائے نے کہا ہے کہ عقیقہ سنت نہیں ہے بلکہ جاہلیت کی ایک رسم ہے۔“ (۱)

شیخ ابن جریر کافقوی:

((العقيقة هی النسیكة التي تذبح عن المولود وهي سنة مؤكدة ويرى بعض العلماء وجوبها لقوله ﷺ ”كل غلام مرتين بعقيقة تذبح يوم سابعه ويسمى“ لكن هذا الحديث يفيد أكديتها فالأصل عدم الوجوب))

”عقیقہ ایسی قربانی کو کہتے ہیں جو نو مولود بچے کی طرف سے ذبح کی جاتی ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔ بعض علماء کے خیال میں واجب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے پیدائش کے ساتویں روز اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔“ لیکن یہ حدیث محض اس کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور اصل عدم وجوب ہی ہے۔“ (۲)

شیخ ابن شمیمینؒ کافقوی:

((وقد اختلف أهل العلم في كونها سنة أو واجبة وأكثر أهل العلم على أنها سنة مؤكدة))

”عقیقہ کے سنت یا واجب ہونے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے۔“ (۳)

عقیقہ کی حکمت

یقیناً اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ہر نعمت کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے

(۱) [المغنی (۳۹۳/۱۳)]

(۲) [فتاویٰ اسلامیة (۳۲۴/۲)]

(۳) [فتاویٰ اسلامیة (۳۲۴/۲)]

ضروری قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿وَأَشْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ [النحل: ۱۱۴]

”اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔“

ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُون﴾ [البقرة: ۱۵۲]

”سو تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا“ اور میری شکرگزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔“

اس لیے عقیقہ مشروع قرار دے دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نعمت عطا کرنے پر اس کا شکر بھی ادا ہو جائے اور اقرباء و دوست احباب کی ضیافت کے ساتھ ساتھ غرباء اور مساکین کا بھی فائدہ ہو جائے۔

شیخ ابن عثیمینؒ کا فتویٰ:

((عقیقۃ المولود ہی الذبیحۃ التی تذبح تقرباً إلی اللہ عزوجل وشکرالہ علی نعمۃ المولود فی الیوم السابع من ولادته))

”بچے کا عقیقہ ایسی قربانی ہے جسے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور نعمت اولاد پر اس کا شکر ادا کرنے کے لیے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔“ (۱)

اگر عقیقہ کی طاقت نہ ہو

مندرجہ ذیل دلائل اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں:

(1) ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ۱۶]

”حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔“

(2) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶]

(۱) [فتاویٰ اسلامیہ (۲/۳۲۴)]

”اللہ تعالیٰ کسی نفس کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتے۔“

(3) ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا﴾ [البقرة: ۲۸۶]

”اے ہمارے رب! ہم پر اس قدر بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں۔“

(4) حدیث نبوی ہے کہ

((إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم))

”جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو جتنی تم میں طاقت ہو اس پر عمل کر لو۔“ (۱)

(5) یہ بات اصول میں بھی ثابت ہے کہ

((لا يجوز التكليف بالمستحيل))

”ناممکن کام کی تکلیف جائز نہیں ہے۔“ (۲)

شیخ ابن شمیمؒ کا فتویٰ:

((فإذا كان الإنسان فقيراً عند ولادة أو ولادة فليس عليه عقیقة لأنه عاجز

والعبادات تسقط بالعجز عنها))

”اگر انسان اپنی اولاد کی پیدائش کے وقت فقیر ہو تو اس پر عقیقہ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ

عاجز ہے اور عاجز ہونے کی وجہ سے عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔“ (۳)

عقیقہ کے لیے کون سا جانور قربان کیا جائے؟

احادیث میں عقیقہ کے لیے جن جانوروں کی قربانی کا ذکر ملتا ہے وہ بکری (یعنی نر

یا مادہ) اور دنبہ ہے جیسا کہ ان احادیث میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) ((عن أم كرز الكعبية رضى الله عنها قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول

(۱) [مسلم (۱۳۳۷) نسائی (۱۱۰/۵ - ۱۱۱)]

(۲) [إرشاد الفحول (۳۰/۱) الإحكام للآمدى (۱۸۷/۱) المستصفى للقرطبي (۷۴/۱)

الوجيز (ص ۷۷)]

(۳) [فتاوى إسلامية (۲/۳۲۶)]

عن الغلام شاتان مكافتان وعن الجارية شاة))

”حضرت اُم کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ”لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (قربان کی جائے)۔“ (۱)

(2) عمرو بن شعیب عن ابی عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من ولد له ولد فأحب أن ينسك عنه فلينسك عن الغلام شاتان

وعن الجارية شاة))

”جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو لڑکے کی

طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کر دے۔“ (۲)

(3) ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدہ کے متعلق

دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((نعم عن الغلام شاتان وعن الأنثى واحدة))

”ہاں“ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک (بکری قربان کرو)۔“ (۳)

(۱) ابو داؤد (۲۸۳۴) کتاب الضحایا: باب فی العقیقة، نسائی (۱۶۵/۷) دارمی

(۸۱/۲) ابن حبان (۱۰۶۰۔الموارد) احمد (۳۸۱/۶) حمیدی (۱۶۷/۱) عبد

الرزاق (۷۹۵۳) بیہقی (۳۱۰/۹) شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو

داؤد (۲۴۵۸) إرواء الغلیل (۳۹۰/۴)]

(۲) ابو داؤد (۲۸۴۲) کتاب الضحایا: باب فی العقیقة، احمد (۱۸۲/۲) نسائی

(۱۶۲/۷) مشکل الآثار (۴۲۱/۱) حاکم (۲۳۸/۴) بیہقی (۳۰۰/۹) امام حاکم

اور امام ذہبی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[

(۳) احمد (۳۸۱/۶) نسائی (۱۶۵/۷) ترمذی (۱۵۱/۶) ابن حبان (۱۰۵۹)۔

الموارد) حاکم (۲۳۷/۴) دارقطنی (۲۷۰/۴) بیہقی (۳۰۱/۹) حمیدی

(۱۶۶/۱) شرح السنة (۲۶۵/۱۱)]

(4) ((عن عائشة رضی اللہ عنہا أنها قالت : أمرنا رسول اللہ ﷺ أن يعق عن الغلام شاتين عن الجارية شاة))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری بطور عقیقہ قربان کی جائے۔“ (۱)

(5) ((عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ عق عن الحسن والحسين بكبشين كبشين))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو دو بٹے ذبح کیے۔“ (۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے عقیقہ کے لیے صرف بکری اور بٹے کا ہی ذکر کیا ہے اس لیے صرف یہی جانور ذبح کرنے چاہیں۔

البتہ بعض علماء نے عقیقہ کے لیے اونٹ اور گائے کی قربانی کو بھی درست قرار دیا ہے جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ

((والجمهور على إجزاء البقر والغنم))

”اور جمہور گائے اور بکری کو (عقیقہ کے لیے) کافی قرار دیتے ہیں۔“ (۳)

اور دکتور وہبہ زحیلی نقل فرماتے ہیں کہ

((هي مثل الأضحية من الأنعام : الإبل والبقر والغنم وقيل لا يعق بالبقر ولا بالإبل))

(۱) [مصنف عبد الرزاق (۲۴۲۳۶) كتاب العقيقة]

(۲) [نسائی (۴۲۲۴) كتاب العقيقة : باب كم يعق عن الجارية ، شيخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح نسائی (۳۹۳۵) إرواء الغلیل (۱۱۶۴)]

(۳) [نبیل الأوطار (۵۰۶/۳)]

”عقیقہ بھی قربانی کی طرح انعام یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں سے کیا جاسکتا ہے

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گائے اور اونٹ سے عقیقہ نہیں کیا جائے گا۔“ (۱)

جن حضرات نے عقیقہ کے لیے اونٹ اور گائے کی قربانی کو بھی جائز کہا ہے ان کی

دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں یہ لفظ ہیں:

((یعق عنه من الإبل والبقر والغنم))

”بچے کی طرف سے اونٹ، گائے اور بکری سے عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔“

لیکن وہ روایت ثابت نہیں۔ (۲)

لہذا ثابت ہوا کہ صحیح احادیث میں صرف بکری اور دنبہ ذبح کرنے کا ذکر ملتا ہے اس

لیے عقیقہ میں صرف انہی کو قربان کیا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

عبدالمنان نور پوری کا فتویٰ:

صحیح بخاری (ص ۸۲۲) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مع الغلام عقیقۃ فأهريقوا عنه دما، أميطوا عنه الأذى))

”ہر پیدا ہونے والے لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور

اس سے ایذا کو دور کرو۔“

گائے، اونٹ اور بھینس کا عقیقہ درست نہیں کیونکہ ترمذی میں رسول اللہ ﷺ کا

فرمان ہے:

((عن الغلام شاتان، وعن الجارية شاة))

”لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرو عقیقہ میں اور لڑکی کی طرف سے ایک“

(۱) [الفننہ الإسلامی وأدلته (۳/۶۳۷)]

(۲) [طبرانی صغیر (۸۴/۱) فتح الباری (۱۱/۱۱) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں

سعد بن السبع راوی کذاب ہے۔ [مجمع الزوائد (۴/۶۱۱)]

اور شاة میں صرف بھیڑ اور بکری کی جنس آتی ہے گائے اور اونٹ شاة میں شامل نہیں تو بڑے جانور کو ایک لڑکے یا لڑکی کے عقیقہ میں بھی ذبح نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی چھ سات لڑکے لڑکیوں کے عقیقہ میں ذبح کیا جاسکتا ہے۔ اونٹ اور گائے کے عقیقہ کے متعلق ایک روایت پیش کی جاتی ہے مگر وہ کمزور ہے عقیقہ کے جانور کے لیے مسنہ (دودانتا یا اس کے اوپر والا) ہونا کوئی لازمی نہیں بعض اہل علم اضحیہ قربانی پر قیاس کرتے ہیں اور مسنہ کو لازمی قرار دیتے ہیں لیکن نص میں شاتان اور شاة عام ہیں مسنہ اور غیر مسنہ دونوں کو شامل ہیں تو نص مقدم ہے لہذا عقیقہ میں مسنہ لازمی نہیں۔ (۱)

عقیقہ کے جانور نہ ہوں یا مادہ؟

عقیقہ کے لئے نر اور مادہ دونوں طرح کے جانور قربان کیے جاسکتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کی دلیل ہے:

((عن أم کرز رضی اللہ عنہا أنها سمعت رسول اللہ ﷺ فی العقیقة قال:

عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة لا یضرکم ذکرانا کن أو إنانا))

”حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سنا آپ ﷺ نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے (یہ جانور) نہ ہوں یا مادہ تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں دے گی۔“ (۲)

عقیقہ کے لیے کتنے جانور قربان کیے جائیں

لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کی جائے گی جیسا کہ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) [احکام و مسائل (۱/۴۴۷)]

(۲) [صحیح موارد الظمان للألبانی (۸۸۵) کتاب الأضاحی: باب ماجاء فی العقیقة]

المشکاة (۴۱۵۲) إرواء الغلیل (۳۹۰/۱۴) صحیح ابو داود (۲۵۲۵)

((عن الغلام شاتان مكافتان وعن الجارية شاة))

”لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (ذبح کی جائے)۔“ (۱)

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ

((أى متستاويتان أو متقارتان))

”یعنی دونوں بکریاں ایک دوسرے کے مساوی یا ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں۔“ (۲)

امام خطابی فرماتے ہیں کہ

((التكافؤ فى السن فلا تكون إحداهما مسنة والأخرى غير مسنة))

”دونوں جانور عمر میں برابر ہوں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے ایک دو نڈا ہو اور دوسرا دو نڈا نہ ہو۔“ (۳)

البتہ ایک روایت میں ہے کہ

((عن ابن عباس رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ عق عن الحسن والحسين كبشا كبشا))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک دنبہ ذبح کیا۔“ (۴)

(۱) جن احادیث میں دو بکریوں کا ذکر ہے وہ زیادتی پر مشتمل ہیں لہذا اس حیثیت سے وہ قبول کیے جانے کی زیادہ مستحق ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہی ایک

(۱) [ابو داؤد (۲۸۳۴) کتاب الضحایا: باب فى العقیقة، إرواء الغلیل (۳۹۰/۴)]

(۲) [سنن أبی داؤد (بعد الحدیث/۲۸۳۴)]

(۳) [معالم السنن (۲۸۴/۴)]

(۴) [ابو داؤد (۲۸۴۱) کتاب الضحایا: باب فى العقیقة، نسائی (۱۶۵/۷) مشکل

الآثار (۴۵۷/۱) عبد الرزاق (۷۸۶۲)]

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو دود بنے ذبح کیے۔

(2) قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے (یعنی اگرچہ آپ ﷺ نے خود لڑکے کی طرف سے بھی ایک دنبہ ذبح کیا ہے لیکن ہمیں لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنے کا کہا ہے اس لیے ہمیں اس پر عمل کرتے ہوئے لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنے چاہئیں)۔

(3) آپ کا ایک بکری پر اکتفاء کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ (لڑکے کی طرف سے) دو بکریاں متعین نہیں بلکہ مستحب ہیں اور ایک بکری مستحب نہیں بلکہ جائز ہے۔ (۱)
اور شیخ البانی رقمطراز ہیں کہ

”یہ حدیث صحیح تو ہے لیکن اس سے بھی زیادہ صحیح سنن نسائی کی وہ حدیث ہے جس میں ”کبشین کبشین“ یعنی دو دود بنے قربان کرنے کا ذکر ہے۔“ (۲)

درج بالا بحث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنا ہی زیادہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اس لیے اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

عقیقہ کا جانور قربان کرتے وقت بسم اللہ کہنا

عقیقہ جانور قربان کرتے وقت قربانی کی طرح بسم اللہ کہنا چاہیے۔

(۱) عن قتادة قال: يسمي على العقيقة كما يسمي على الأضحية: بسم الله عقيقة فلان))

”حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ: عقیقہ پر اسی طرح بسم اللہ کہنی چاہیے جیسے قربانی پر بسم اللہ کہی جاتی ہے (مثلاً) بسم اللہ عقیقہ فلان (اللہ کے نام کے ساتھ فلاں کا عقیقہ کیا جاتا ہے)۔“ (۳)

(۱) [نیل الأوطار (۵۰۱/۳)]

(۲) [صحيح ابو داود (۲۴۶۶)]

(۳) [مصنف عبد الرزاق (۲۴۲۶۰) كتاب العقيقة]

عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط

احادیث میں مطلقاً شاة یا شاتین کا لفظ ہے۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط عائد نہیں کی جائیں گی۔
امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

((وقد استدلال بإطلاق الشاتین علی عدم الاشتراط وهو الحق))

اور تحقیق ”شاتین“ (یعنی دو بکریوں کے لفظ) کے مطلق طور پر ذکر سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں وہ شرائط عائد نہیں کی جائیں گی جو قربانی کے جانور کی ہیں اور یہی بات برحق ہے۔“ (۱)
علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ کا فتویٰ:

((لم یثبت الاشتراط بحديث صحيح أصلا بل ولا بحديث ضعيف

فالذین قالوا بالاشتراط لیس لهم دلیل غیر القیاس))

”اصلاً کسی بھی صحیح حدیث سے یہ شرائط عائد کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ نہ ہی کسی ضعیف حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ یہ شرائط لگانے کے قائل ہیں ان کے پاس قیاس کے سوا کوئی دلیل نہیں۔“ (۲)

تاہم عقیقہ کے جانور کے ساتھ متقارب یا مساوی کی قید اس بات کی متقاضی ہے کہ شریعت نے قربانی کے جانور میں جن عیوب و نقائص سے بچنے کا حکم دیا ہے انہیں عقیقہ کے جانور میں بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((و أنه يمنع فیها من العیب ما یجتنب فی الأضحیة))

(۱) [نبیل الأوطار (۵۰۶/۳)]

(۲) [تحفة الأحوذی (۹۹/۵)]

”اور بلاشبہ عقیقہ کے جانور میں بھی ان عیوب سے بچا جائے گا جن سے قربانی (کے جانور) میں اجتناب کیا جاتا ہے۔“ (۱)

عقیقہ کا وقت

عقیقہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز کیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ
 ((عن سمرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال : کل غلام مرتہن بعقیقته تذبح عنہ یوم سابعہ ویحلق ویسمى))

”حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔ پیدائش کے ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے۔ سر کے بال منڈائے جائیں اور اس کا نام رکھا جائے۔“ (۲)
 امام ترمذی رقمطراز ہیں کہ

((و العمل علی هذا عند أهل العلم يستحبون أن یذبح عن الغلام العقیقة یوم السابع))

”اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ وہ ساتویں روز بچے کی طرف سے عقیقہ کا جانور ذبح کرنا مستحب سمجھتے ہیں۔“ (۳)
 امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((قال أصحابنا : السنة أن تذبح یوم السابع))

”ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ سنت یہ ہے: ساتویں دن (عقیقہ کا جانور) ذبح

(۱) [المغنی (۳۹۹/۱۳)]

(۲) [ابو داؤد (۲۸۳۸، ۲۷۳۷) کتاب الضحایا: باب فی العقیقة، ابن ماجہ (۳۱۶۵)]

ترمذی (۱۵۲۲) نسائی (۱۶۶/۷) حاکم (۲۳۷/۴) بیہقی (۳۰۳/۹)

(۳) [ترمذی (بعد الحدیث ۱۵۲۲)]

کیا جائے۔“ (۱)

اگر کوئی ساتویں روز سے پہلے عقیقہ کر لے

ایسا شخص سنت کی خلاف ورزی کرنے والا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے عقیقہ کے لیے جو دن مقرر فرمایا ہے وہ پیدائش کا ساتواں روز ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے اتنا ضرور ہے کہ اگر کوئی ساتویں روز سے پہلے ہی عقیقہ کر لیتا ہے تو بچہ گروی سے آزاد ہو جائے گا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔“ اب چونکہ عقیقہ ہو چکا ہے اس لیے وہ گروی سے تو آزاد ہو گیا ہے لیکن یہ شخص سنت کو نہیں حاصل کر سکا کیونکہ سنت یہی ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کیا جائے۔ (واللہ اعلم)

کیا ساتویں روز کے بعد عقیقہ کیا جا سکتا ہے؟

ساتویں روز کے بعد بھی عقیقہ کیا جا سکتا ہے خواہ بچہ بالغ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو کیونکہ وہ بچہ ابھی تک گروی ہے اور اسے گروی سے چھڑانے کے لیے عقیقہ ہی کرنا پڑے گا۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں روز کے بعد چودھویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرنا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تذبیح لسبع أو لأربع عشرة أو لإحدى وعشرين))

”عقیقہ کا جانور ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز۔“ (۲)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((نعم، تجزئ ولكن تاخيرها عن اليوم السابع من الولادة خلاف السنة

وكل طفل أو طفلة مات صغيراً ينفع الله به من صبر من والديه المؤمنين))

”ہاں (ساتویں روز کے بعد بھی) عقیقہ کفایت کر جاتا ہے لیکن پیدائش کے

(۱) [المغنی (۳۹۶/۱۳)]

(۲) [صحيح الجامع الصغير (۴۰۱۱)]

ساتویں روز سے اسے مؤخر کر دینا خلاف سنت ہے اور ہر لڑکا اور لڑکی جو بچپن میں فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے مومن والدین میں سے اس کو نفع دے گا جس نے صبر کیا۔“ (۱)

ایک اور فتویٰ کے الفاظ یوں ہیں:

((وإذا مضى اليوم السابع ولم يعق عنه فرأى بعض الفقهاء أنه لا يسن أن يعق عنه بعده لأن النبي ﷺ وقتها باليوم السابع وذهب الحنابلة وجماعة من الفقهاء إلى أنه يسن أن يعق عنه ولو بعد شهر أو سنة أو أكثر))

”اگر ساتواں روز گزر جائے اور اس کی طرف سے عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو بعض فقہاء کا خیال ہے کہ اس کے بعد اس کی طرف سے عقیقہ کرنا مسنون نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ساتواں روز ہی اس کا وقت مقرر کیا ہے۔

تاہم حنابلہ اور فقہاء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کی طرف سے بھی عقیقہ کرنا مسنون ہے خواہ ایک ماہ کے بعد کیا جائے یا سال کے بعد یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد۔“ (۲)

کیا انسان خود اپنا عقیقہ کر سکتا ہے؟

اگر کسی کے والدین عقیقہ کے مسائل سے لاعلمی و جہالت یا غربت و افلاس یا کسی اور وجہ سے اس کا اپنی زندگی میں عقیقہ نہ کر سکے ہوں تو وہ خود بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ عقیقہ کے عوض گروی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔“ اس لیے گروی سے آزاد ہونے کے لیے اسے عقیقہ کر لینا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

(۱) [فتاویٰ اسلامیہ (۲/۳۲۵)]

(۲) [فتاویٰ اسلامیہ (۲/۳۲۶)]

امام عطاء اور امام حسنؓ کا فتویٰ:

((یعق عن نفسه لأنها مشروعة عنه ولأنه مرتهن بها فینبغی أن یشرع له

فكاك نفسه))

”انسان اپنی طرف سے بھی عقیقہ کر سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی طرف سے مشروع ہے اور اس لیے بھی کہ وہ عقیقہ کے عوض گروی ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ اس کے لیے اپنے نفس کو (گروی سے) چھڑانا مشروع قرار دیا جائے۔“

البتہ حنابلہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمدؒ نے اس مسئلہ کے متعلق یہ فتویٰ دیا ہے کہ ((ذک علی الوالد)) ”یہ (عقیقہ کرنا صرف) والد کی ذمہ داری ہے۔“ (۱)

امام شافعیؒ کا فتویٰ:

((فإن تأخرت إلى البلوغ سقطت عن من كان يريد أن يعق عنه لكن إن

أراد هو أن يعق عن نفسه فعل))

”اگر عقیقہ بلوغت تک مؤخر ہو جائے تو اُس سے (عقیقہ کرنے کا حکم) ساقط ہو جائے گا جو اس بچے کی طرف سے عقیقہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اگر وہ خود اپنی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔“ (۲)

عقیقہ کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا

افضل یہ ہے کہ جانور کی قیمت صدقہ کرنے کے بجائے عقیقہ کیا جائے کیونکہ یہی مسنون ہے اور اسی کی نبی ﷺ نے تلقین فرمائی ہے۔

امام ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں کہ

(۱) [المغنی (۳/۳۹۷)]

(۲) [نیل الأوطار (۳/۵۰۰)]

((والعقیقة أفضل من الصدقة بقيمتها نص عليه أحمد وقال إذا لم يكن عنده ما يعق فاستقرض رجوت أن يخلف الله عليه إحياء سنة قال ابن المنذر: صدق أحمد 'إحياء السنن واتباعها أفضل وقد ورد فيها من التأكيد في الأخبار التي رويناها ما لم يرد في غيرها ولأنها ذبيحة أمر النبي ﷺ بها فكانت أولى كالوليمة والأضحية))

”عقیقہ کی قیمت صدقہ کرنے سے عقیقہ کے جانور کو ذبح کر دینا افضل ہے۔ امام احمد نے اس پر نص بیان کی اور کہا کہ جب کسی کے پاس اس قدر مال نہ ہو کہ جس سے عقیقہ کر سکے تو قرض لے لے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سنت زندہ کرنے کی وجہ سے پورا پورا بدلہ دے گا۔ امام ابن منذر نے کہا: امام احمد نے سچ فرمایا ہے (یقیناً) سنتوں کو زندہ کرنا اور ان کی اتباع کرنا ہی افضل ہے اور اس کے متعلق ان روایات میں کہ جنہیں ہم نے روایت کیا ہے اس قدر تاکید وارد ہوئی ہے جو اس کے علاوہ کسی اور مسئلہ میں وارد نہیں ہوئی۔ اور کیونکہ یہ ایسا ذبیحہ ہے کہ جس کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے لہذا ولیمہ اور قربانی کی طرح یہی زیادہ اولیٰ ہے۔“ (۱)

حافظ عبدالمنان نوری پوری کا فتویٰ:

کسی نے دریافت کیا کہ اگر عقیقہ کے لیے جانور خریدنے کی بجائے ان جانوروں کی قیمتیں حسب بھاد یا حسب توفیق کسی غریب آدمی، بیوہ عورت یا یتیم بچوں کو دے دے جو اپنی گزران سے تنگ ہوں اور وہ ان پیسوں سے اپنا نان و نفقہ یا لباس وغیرہ کا انتظام کر سکیں تو کیا اس صورت میں عقیقہ ہو جائے گا یا جانور ہی ذبح کرنا پڑے گا؟

تو حافظ صاحب نے جواب میں کہا: یہ طریقہ درست نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا

فرمان ہے کہ

(۱) [المغنی (۳۹۵/۱۳)]

((عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة))

”لڑکے کی طرف سے دو بکریاں عقیقہ میں ذبح کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک“
 اور مذکورہ طریقہ اختیار کرنے سے آپ ﷺ کے فرمان پر عمل نہیں ہوتا۔ (واللہ اعلم) (۱)
نا تمام بچے کی طرف سے عقیقہ کا حکم

اگر چہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر بچہ روح پھونکے جانے کے بعد پیدا ہو تو اس کا عقیقہ کیا جائے گا لیکن ہمارے علم کے مطابق نا تمام بچے پر چونکہ ساتواں روز نہیں آیا اور عقیقہ کے لیے پیدائش کا ساتواں روز مقرر کیا گیا ہے اس لیے ایسے بچے کا عقیقہ نہیں کیا جائے گا۔

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((ولا عقیقة عن السقط ولو تبین أنه ذکر أو أنثی إذا سقط قبل نفع الروح فيه لأنه لا یسمى غلاما ولا مولودا وتذبح العقیقة فی الیوم السابع من الولادة))

”نا تمام بچے کی طرف سے عقیقہ نہیں ہے اگر چہ یہ بھی واضح ہو جائے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی جبکہ وہ روح پھونکے جانے سے پہلے ساقط ہو جائے کیونکہ اسے غلام اور مولود (یعنی بچہ) کے نام سے موسوم نہیں کیا جاسکتا اور عقیقہ کا جانور پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔“ (۲)

اگر بچہ ساتویں روز سے پہلے فوت ہو جائے

عقیقہ کا وقت ساتواں دن مقرر کیا گیا ہے اور اس سے پہلے فوت ہونے والے

(۱) [احکام و مسائل (۱/۴۴۸)]

(۲) [فتاویٰ اسلامیہ (۲/۳۲۶)]

بچے پر چونکہ یہ وقت آیا ہی نہیں اس لیے اس کی طرف سے عقیقہ بے معنی ہے۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے زوال آفتاب سے پہلے اگر کوئی نماز ظہر کی سنتیں ادا کرتا ہے تو حتمی طور پر ان کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ (واللہ اعلم)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((وإذا ولد الحنین حیا ومات قبل الیوم السابع فیسن أن یعق عنه فی الیوم السابع))

”اگر بچہ زندہ پیدا ہو اور پھر ساتویں روز سے پہلے فوت ہو جائے تو ساتویں روز اس کی طرف سے عقیقہ کرنا مسنون ہے۔“ (۱)

امام شوکانیؒ حدیث کے ان الفاظ ((یوم سابعه)) کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

((فیہ دلیل علی أن وقت العقیقة سابع الولادة وأنها تفوت بعده وتسقط إن مات قبله))

”اس میں دلیل ہے کہ عقیقہ کا وقت ولادت کا ساتواں روز ہے اور بلاشبہ یہ اس (دن) کے بعد فوت ہو جاتا ہے اور اگر وہ بچہ اس (دن) سے پہلے فوت ہو جائے تو (عقیقہ) ساقط ہو جاتا ہے۔“ (۲)

ہمارے علم کے مطابق زیادہ مناسب بات وہی ہے جسے ابتدا میں بیان کر دیا گیا ہے۔

میت کی طرف سے عقیقہ

فوت ہونے والا بیٹا ہو (بشرطیکہ اس پر ساتواں روز گزر چکا ہو) یا والد دونوں کی طرف سے عقیقہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر بچے کو اپنے عقیقہ کے عوض گروی قرار دیا ہے اور گروی کی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کسی کے فوت ہونے کے بعد بھی چھڑایا جاسکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

(۱) [فتاویٰ اسلامیة (۲/۳۲۶)]

(۲) [نیل الأوطار (۳/۴۹۹)]

شیخ ابن شمیمؒ کا فتویٰ:

((العقیقة لا تشرع للمیت..... وأما المیت فلا یعق عنه ولكن يدعی له بالمغفرة والرحمة والدعاء وإن أهدى إلى المیت ثواب عمل صالح كأن يتصدق عنه بشی أو یصلی المسلم رکعتین أو یقرأ بعضاً من القرآن و ینوی ثوابه له فلا حرج ولكن الدعاء أفضل من هذا كله لأنه هو الذى أرشد إليه ﷺ))

”میت کی طرف سے عقیقہ مشروع نہیں ہے..... میت کی طرف سے عقیقہ تو نہیں کیا جائے گا لیکن اس کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جاسکتی ہے اور اگر کسی نیک عمل کا ثواب میت کو ہدیہ کر دیا جائے مثلاً اس کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کر دی جائے یا مسلمان دو رکعت نماز ادا کرے یا قرآن کا کچھ حصہ تلاوت کرے اور نیت کرے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ان تمام کاموں سے دعا ہی افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔“ (۱)

زندہ والدین کی طرف سے عقیقہ

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ”کہ ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے“ سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی طرف سے اگر عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو اولاد بھی ان کی طرف سے عقیقہ کر سکتی ہے کیونکہ گروی کوئی بھی چھڑا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

عقیقہ کے جانور کے گوشت اور کھال کا مصرف

عقیقہ کے جانور کے گوشت اور کھال کے کسی خاص استعمال کے متعلق احادیث میں کہیں ذکر موجود نہیں اس لیے انہیں بھی اسی طرح استعمال کر لینا چاہیے جیسے قربانی کا گوشت

(۱) [فتاویٰ اسلامیہ (۲/۳۲۵)]

اور کھال استعمال کی جاتی ہے۔

دکتور وہب زحیلی رقمطراز ہیں کہ

((حکم لحمها و جلدھا کالضحایا یوکل من لحمھا ویصدق منه ولا

یباع شیئ منها))

”حقیقہ کے (جانوروں کے) گوشت اور چیزے کا حکم قربانیوں کی طرح ہی ہے۔

(یعنی) ان کا گوشت کھایا جاسکتا ہے اور اس سے صدقہ کیا جاسکتا ہے اور اس سے کوئی چیز

فروخت نہیں کی جاسکتی۔“ (۱)

www.KitaboSunnat.com



(۱) [الفقه الإسلامی وأدلته (۳/۶۳۹)]

نومرلوو سے متعلقہ مسائل

www.KitaboSunnat.com

نومولوود سے متعلقہ چند ضروری احکام

بچے کے کان میں اذان اور اقامت کا حکم

اقامت کہنا تو بالکل ثابت نہیں ہے کیونکہ جس حدیث میں اس کا ذکر ہے وہ قابل حجت نہیں جیسا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

((من ولد له ولد فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى لم

تضره أم الصبيان))

”جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں

اقامت کہے تو اسے ام صبیان کی بیماری نقصان نہیں پہنچائے گی۔“ (۱)

اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی روایت بھی مستند نہیں ہے۔ (۲)

علاوہ ازیں اذان کہنے کے متعلق روایت بھی ضعیف ہے اس کی سند میں عاصم بن

عبید اللہ راوی کی صحت میں اختلاف ہے۔ (۳)

تاہم دیگر شواہد کی بنا پر یہ حدیث حسن درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ

((أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة))

”جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو جنا تو آپ

(۱) [شعب الإيمان للبيهقي (۸۶۲۰)] شیخ البانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

[الضعيفة (۳۲۰/۱)] (۲۳۲۱) إرواء الغلیل (۱۱۷۴) حافظ ابن حجر نے بھی اسے

ضعیف کہا ہے۔ [تلخیص الحیبر (۱۴۹/۴)]

(۲) [تلخیص الحیبر (۲۷۳/۴)]

(۳) [تہذیب التہذیب (۴۶/۵۵) تقریب التہذیب (۳۸۴/۱) میزان الاعتدال

[(۳۵۳/۲)]

میں نے ان کے کان میں نماز کے لیے (کہی جانے والی) آذان کی طرح آذان کہی۔“ (۱)

علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رقمطراز ہیں کہ

یہ حدیث ضعیف ہے لیکن حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی اُس روایت سے کہ جسے امام

ابویعلیٰ موصلیٰ اور امام ابن سنی نے روایت کیا ہے مضبوط قوی ہو جاتی ہے۔ (۲)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے۔ (۳)

امت کا متواتر و متوارث عمل بھی اسے قابل احتجاج بنا دیتا ہے۔

امام ابن قیم نے اپنی کتاب زاد المعاد میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل

فرمائی ہے۔ (۴)

امام نووی فرماتے ہیں کہ

((السنة أن يؤذن في أذن المولود عند ولادته ذكرًا كان أو أنثى ويكون

الأذان بلفظ أذان الصلوة))

”نومولود خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اس کے کان میں آذان کہنا سنت ہے اور آذان انہی

الفاظ میں کہی جائے جن میں نماز کے لیے کہی جاتی ہے۔“ (۵)

واضح رہے کہ اس آذان کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے جب بھی مسلمان اس پر قادر ہو

آذان کہہ دے۔ (۶)

(۱) [ترمذی (۱۰۱۶) کتاب الأضاحی : باب الأذان فی أذن المولود، أبو داود

(۵۱۰۵) أحمد (۹/۱۶-۳۹۱) شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ [صحیح ترمذی

(۱۲۲۴) صحیح أبو داود (۴۲۵۸) إرواء الغلیل (۱۱۷۳)]

(۲) [تحفة الأحوذی (۹۱/۱)]

(۳) [ترمذی (۱۰۱۶)]

(۴) [زاد المعاد (۳۳۳/۲)]

(۵) [المجموع (۴۴۲/۸)]

(۶) [أحسن الفتاوی (۲۷۶/۲)]

بچے کا سر منڈانا

پیدائش کے ساتویں روز بچے کا سر منڈا کر اس کے سر کی پیدائشی آلائش کو صاف کر کے سے نہلانا چاہیے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

((عن سمرة بنی شیبہ: قال قال رسول اللہ ﷺ: كل غلام رهينة بعقيقة تذبح عنه يوم سابعه ويسمى فيه ويحلق رأسه))

”حضرت سمرة بنی شیبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈائے جائیں۔“ (۱)

بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ

جب بچے کا سر منڈا دیا جائے تو اس کے سر سے اترنے والے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دینا بھی مشروع ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

((عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، قال عرق رسول اللہ عن الحسن بشاة وقال: يا فاطمة احلقي رأسه وتصدقی بزنة شعره فضة))

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ! اس کا سر منڈاؤ اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔“ (۲)

(۱) [ابو داؤد (۲۸۳۸) کتاب الضحایا: باب فی العقیقة، ترمذی (۱۵۲۲) ابن ماجہ (۳۱۶۵) نسائی (۱۶۶۱۷) ابن الجادود (۹۱۰) حاکم (۲۳۷/۴) احمد (۱۷/۵) دارمی (۸۱/۲) مشکل الآثار (۴۵۳/۱) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔] صحیح ابو داؤد (۲۴۶۳)

(۲) [ترمذی (۵۹/۵)] اسی معنی کی حدیث مسند احمد (۳۹۰/۶) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۳۰۴/۹) میں بھی ہے۔ شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ [التعلیق علی السیل الجرار (۲۵۲/۳)]

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

((ومن توابع العقیقة التصدق بوزن شعر رأس الصبی من الورق))

”عقیقہ کی تابع اشیاء میں سے بچے کے سر کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کر

دینا بھی ہے۔“ (۱)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وان تصدق بزنة شعره فضه فحسن))

”اور اگر کوئی بچے کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دے تو بہتر ہے۔“ (۲)

سید سابقؒ کا فتویٰ:

((ومن السنة أن يختار للمولود اسم حسن ويحلق شعره ويتصدق بوزنه

فضة إن تيسر ذلك))

”سنت سے یہ بھی ہے کہ بچے کے لیے اچھا نام تجویز کیا جائے اور اس کے بال

منڈائے جائیں اور ان کے وزن کے برابر چاندی کا صدقہ کر دیا جائے اگر یہ میسر ہو۔“ (۳)

بچے کے بال منڈا کر سر پر خوشبو لگانا

((عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت : كانوا في الجاهلية إذا عقوا عن

الصبي خضبوا قطنه بدم العقیقة فإذا حلقوا رأس الصبی وضعوها على رأسه

فقال النبی ﷺ ”اجعلوا مكان الدم خلوقا“))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جاہلیت میں لوگ جب بچے کی طرف سے

عقیقہ کرتے تو عقیقہ کے خون کے ساتھ روئی کا ایک ٹکڑا رنگ دیتے پھر جب بچے کا سر

منڈاتے تو اس ٹکڑے کو بچے کے سر پر رکھ دیتے پس نبی ﷺ نے فرمایا ”تم خون کی جگہ

(۱) [السيل الحرار (۲۰۲/۳)]

(۲) [المغنی (۳۹۷/۱۳)]

(۳) [فقه السنة (۱۹۹/۳)]

خلوق (ایک قسم کی خوشبو) رکھا کرو۔“ (۱)

خلوق کے متعلق امام ابن اثیر رقمطراز ہیں کہ

((وهو طيب معروف مركب يتخذ من زعفران وغيره من انواع الطيب

وتغلب عليه الحمرة والصفرة))

”یہ ایک معروف مرکب خوشبو ہے جسے زعفران اور دیگر خوشبو کی اقسام سے بنایا

جاتا ہے اور اس پر سرخ اور زرد رنگ غالب ہوتا ہے۔“ (۲)

بچے کا نام رکھنا

بچے کا نام پہلے دن بھی رکھا جاسکتا ہے اور ساتویں دن بھی احادیث میں دونوں طرح

کا ذکر ملتا ہے اس لیے ساتویں روز تک سوچ کر بچے کا نام تجویز کر لینا چاہیے جیسا کہ چند

احادیث حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو

انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے حفاظت کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ چنانچہ وہ

بچہ آپ ﷺ کی خدمت میں لائے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بچے کے ساتھ کچھ کھجوریں

بھی بھیجیں آپ ﷺ نے بچے کو پکڑا اور پوچھا کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھی ہے؟ لوگوں نے

کہا جی ہاں! کھجوریں ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے لے کر چبایا اور پھر اسے اپنے منہ سے نکال

کر بچے کے منہ میں رکھ دیا اور ((وحنكہ به وسماء عبد اللہ)) ”اس سے بچے کی

تحنیک کی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا۔“ (۳)

(2) ((عن أبي موسى رضي الله عنه قال: ولد لي غلام فأتيت به النبي ﷺ، فسماه إبراهيم،

فحنكہ بتمرة، ودعاه بالبركة، ودفعه إلي وكان أكبر ولد أبي موسى))

(1) [صحيح موارد الظمان (۸۸۳) كتاب الأضاحي: باب ما جاء في العقيقة، سلسلة

الأحاديث الصحيحة (۴۶۳، ۲۴۵۲) ارواء الغليل (۳۸۹/۴)]

(۲) [النهاية (۶۸/۲)]

(۳) [بخاری (۵۴۷۰) كتاب العقيقة: باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه،

و تحنیکه، مسلم (۲۱۴۴) كتاب الأداب: باب استحباب تحنیک المولود]

”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی پھر مجھے دے دیا۔ یہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ (۱)

(3) ((عن سمرة بنی اللہ، قال قال رسول اللہ ﷺ: كل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويسمى فيه ويحلق رأسه))

”حضرت سمرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے، پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈائے جائیں۔“ (۲)

امام شوکانیؒ مذکورہ حدیث میں موجود ”یسمی“ کے لفظ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

((دلیل علی استحباب التسمية فی اليوم السابع))

”یہ دلیل ہے کہ ساتویں روز نام رکھنا مستحب ہے۔“ (۳)

اللہ کے پسندیدہ نام

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: إن أحب أسمائکم إلی

اللہ عبد اللہ و عبد الرحمن))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بے شک

(۱) [بخاری (۵۴۶۷) کتاب العقیقة: باب تسمية المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه، و تحنیکہ، مسلم (۲۱۴۵)]

(۲) [ابو داؤد (۲۸۳۸) کتاب الضحایا: باب فی العقیقة، ترمذی (۱۰۲۲) ابن ماجہ (۳۱۶۵)

نسائی (۱۶۶۱۷) ابن الجادود (۹۱۰) حاکم (۲۳۷/۴) احمد (۱۷/۵) دارمی (۸۱/۲) مشکیں: آثار (۴۵۳/۱) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۲۴۶۳)]

(۳) [نبیل الأوطار (۵۰۰/۳)]

تمہارے ناموں میں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔“ (۱)

بُرے نام

بعض ناموں سے آپ ﷺ نے خاص طور پر منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے
 ((عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: لا تسم غلامک
 رباحا ولا یسارا ولا أفلح ولا نافعا))

”حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اپنے
 بچے کا نام رباح، یسار، اُفْلَح اور نافع نہ رکھو۔“ (۲)

اسی طرح بادشاہوں کا بادشاہ یا بالفاظ دیگر شہنشاہ نام رکھنا بھی جائز نہیں جیسا کہ
 حدیث میں ہے کہ

((عن أبی ہریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: إن أخصع اسم عند اللہ رجل
 یسمى ملک الأملاک - زاد ابن أبی شیبہ فی رواية ”لا مالک إلا اللہ“ قال
 سفیان: مثل شاهان شاہ))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ
 کے نزدیک بدترین نام یہ ہے کہ کسی آدمی کا نام بادشاہوں کا بادشاہ رکھ دیا جائے۔“ ابن ابی
 شیبہ نے اپنی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بادشاہ نہیں۔“
 سفیان فرماتے ہیں کہ جیسے شہنشاہ (نام) ہے۔“ (۳)

نیز ایسے نام بھی نہیں رکھنے چاہئیں جن میں شرک کا شائبہ ہو مثلاً غلام نبی، غلام
 علی، نبی بخش، حسین بخش یا پیراں دتا وغیرہ۔ ایسا نام اگر کسی نے رکھا ہو تو اسے
 تبدیل کر دینا چاہیے۔

(۱) [مسلم (۵۵۸۷) کتاب الأداب: باب النهی عن التکنی بأبی القاسم و بیان ما
 یستحب من الأسماء]

(۲) [مسلم (۵۶۰۰) کتاب الأداب: باب کراهة التسمية بالأسماء القبيحة و نافع و نحوه]

(۳) [مسلم (۵۶۱۰) کتاب الأداب: باب استحباب تفسیر الاسم القبیح إلی حسن
 و تغییر اسم برة إلی زینب و جویریة و نحوهما]

برانا نام تبدیل کر دینا چاہیے

جیسا کہ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب بھی نبی ﷺ کسی کو برانا نام رکھے ہوئے دیکھتے تو اسے تبدیل کر دیتے۔

(1) ((عن أبي هريرة رضي الله عنه أن زينب رضي الله عنها كان اسمها برة فقيل تزكى نفسها فسمها ها رسول الله ﷺ زينب))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کا نام ”برہ“ تھا

کہا جانے لگا کہ وہ اپنی پاکی ظاہر کرتی ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا۔“ (۱)

(2) ((عن عبد الحميد بن جبير بن شيبة قال : جلست إلى سعيد بن المسيب فحدثني أن جده حزنا قدم على النبي ﷺ فقال : ((ما اسمك ؟)) قال :

اسمى حزن قال : ((بل أنت سهل)) قال : ما أنا بمغير اسما سمانيه أبي قال

ابن المسيب : فما زالت فينا الحزونة بعد))

”عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ بیان کرتے ہیں کہ میں سعید بن مسیب کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو

انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے دادا ”حزن“ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرا نام حزن ہے۔ آپ ﷺ

نے فرمایا کہ تم تو سہل ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے باپ کا رکھا ہوا نام نہیں بدلوں گا۔ سعید بن

مسیب نے کہا اس کے بعد سے اب تک ہمارے خاندان میں سختی اور مصیبت ہی رہی۔“ (۲)

(3) ((عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ غير اسم عاصية وقال أنت جميلة))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاصیہ (نافرمان یہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نام تھا) کا نام تبدیل کر دیا اور کہا ”تو جمیلہ (خوبصورت) ہے۔“ (۳)

(۱) [بخاری (۶۱۹۲) کتاب الأدب : باب تحويل الاسم إلى اسم احسن منه]

(۲) [بخاری (۶۱۹۳) کتاب الأدب : باب تحويل الاسم إلى اسم احسن منه]

(۳) [مسلم (۵۶۰۴) کتاب الأدب : باب استحباب تغيير الاسم القبيح إلى احسن و

تغيير اسم بره إلى زينب وجويرية ونحوهما]

(4) ((عن ابن شريح رضي الله عنه أنه كان يكنى أبا الحكم فقال له النبي ﷺ : إن الله هو الحكم وإليه الحكم فقال إن قومي إذا اختلفوا في شيء اتوني فحكمت بينهم فرضي كلا الفريقين - فقال : ما أحسن هذا . فما لك من الولد؟ قال : شريح ومسلم وعبدالله ، قال فمن أكبرهم؟ قلت شريح . قال فأنت أبو شريح))

”حضرت ابو شريح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی کنیت (زمانہ جاہلیت میں) ابوالحکم تھی چنانچہ (اس کنیت کو نامناسب خیال فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: ”حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور حکم اسی کو زیب دیتا ہے۔ حضرت ابو شريح رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی یا رسول اللہ ﷺ! میری قوم میں جب کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تھا تو وہ میرے پاس آ کر فیصلہ کراتے تھے اور میں جو فیصلہ کر دیتا اس پر دونوں فریق راضی ہو جایا کرتے تھے (اسی لیے میری کنیت ابوالحکم ہو گئی) یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ”کیسی اچھی بات ہے؟ پھر فرمایا تمہاری اولاد کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ”شريح“ مسلم اور عبد اللہ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا بڑا کون ہے؟ میں نے عرض کیا ”شريح“ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تمہاری کنیت ابو شريح ہے۔“ (۱)

انبیاء کے نام پر نام رکھنا

انبیاء کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھنا جائز و مباح ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

((قال أنس رضي الله عنه : قبل النبي ﷺ إبراهيم يعني ابنه))

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ابراہیم یعنی اپنے بیٹے کا بوسہ

لیا۔“ (۲)

- (۱) [ابو داود (۴۹۵۵) کتاب الأدب : باب فی تغییر الاسم القبیح ، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۴۱۴۵)]
- (۲) [بخاری (قبل الحدیث ۶۱۹۴) کتاب الأدب : باب من سمي بأسماء الأنبياء]

بچوں کے لیے چند عمدہ نام

آئندہ سطور میں بچوں کے لیے چند عمدہ ناموں کی فہرست درج کی جا رہی ہے جو کہ شیخ فاروق اصغر صائم حفظہ اللہ کی کتاب 'پیارے نام' سے ماخوذ ہے۔

انبیائے کرام کے اسمائے مبارکہ

نام	معنی	نام	معنی
آدم	گندم گوں	نوح	آرام، بلند
ثیث	کثرت	ادریس	پڑھا ہوا
ہود	توبہ کرنے والا	صالح	نیک
ابراہیم	خادم قوموں کا باپ	لوط	دلی محبت
اسحاق	ہنسنے والا	یعقوب	پیچھے آنے والا
یوسف	حسین۔ پاکباز	خضر	سرسبز
شعیب	حصہ۔ جمع و تفریق	موسیٰ	پانی سے نکالا ہوا
ہارون	سالار۔ قوی	یوشع	چڑھائی و بلندی
الیاس	قائم و دائم	یسع	فراخ
داؤد	عزیز و دوست	سلیمان	زینہ۔ سلامتی
ایوب	رجوع کرنے والا	یونس	مانوس
ذوالکفل	ضامن	عزیر	تعاون کرنا

لنمان	دانا	زکریا	بھرنانا۔ پر کرنا
یحییٰ	زندہ رہنے والا	عیسیٰ	زندگی والا
محمدؐ	تعریف کیا ہوا		

حضرت محمد ﷺ کے صفاتی نام

نام	معنی	نام	معنی
احمد	زیادہ تعریف والا	امین	امانت دار
بشیر	بشارت دینے والا	جواد	سخی
حامد	تعریف کرنا والا	حبیب	محبوب
خلیل	دلی دوست	خطیب	بات کرنے والا
رشید	شریف، ہدایت یافتہ	سراج	چراغ
شفیع	شفاعت کرنے والا	شاهد	گواہ
صادق	سچا	صدیق	سچ بولنے والا
طاہر	پاک	عادل	انصاف کرنے والا
کلیم	کلام کرنے والا	عاقب	آخری
مبشر	خوشخبری دینے والا	قاسم	تقسیم کرنے والا
محمود	تعریف کیا گیا	مجتبیٰ	چنا ہوا
مرضی	پسندیدہ	مدر	کپڑا اوڑھنے والا
مصطفیٰ	چنا ہوا	مزل	کپڑا اوڑھنے والا

چراغ	مصباح	تصدیق کرنے والا	مصدق
روشن	منیر	مدد یا گیا	منصور
مدد کرنے والا	ناصر	ڈرانے والا	نذیر

ازواج مطہرات کے اسمائے مطہرہ

زندگی والی	عائشہ	نا تمام	خدیجہ
ایک خوشبودار، خوبصورت درخت	زینب	شیرنی	حفصہ
ریت کا ٹیلہ	رملہ (ام حبیبہ)	عہد و پیمان (لڑکی)	جویریہ
مٹکب	صفیہ	مشک، نشان	سودہ
جماعت، سونتا	ہند (ام سلمہ)	بابرکت	میمونہ

آنحضرت ﷺ کے اولاد و احفاد کے نام

اللہ کا بندہ	عبداللہ	خادم، قوموں کا باپ	ابراہیم
اچھا، خوبصورت	حسن	تقسیم کرنے والا	قاسم
خوشبودار حسین درخت	زینب	خوبصورت	حسین
پرکش	ام کلثوم	ترقی	رقیہ
مقصد مراد	امامہ	دودھ چھرانے والی	فاطمہ

مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام

پھیلا نا۔ بکھیرنا	ابوذر	واضح، ظاہر	ابان
-------------------	-------	------------	------

ابوہریرہ	بلی کے بچے والا	احمد	لازم، ٹھہرنا
اربد	اقامت، ابرآلود	ارقم	تحریر۔ نشان والا
احوص	مخاط	اسامہ	شیر، بلند
اشعث	بکھرا ہوا	اسعد	سعادت مند
اسمر	کہانی گو	اسید	چھوٹا شیر
اسیم	بلند	اقمر	زیادہ روشن
اقرع	ککھٹانے والا۔ بہادر	انیف	اچھوتا
انیس	پیارا	اویس	- بھیڑیا
براء	بری	تمیم	کامل
ثعلبہ	لومڑی	ثمامہ	اصلاح
جابر	غالب، پر کرنے والا	جبیر	پر کرنے والا، غالب
جریر	کھینچنے والا	جلیب	ہانکنے والا
جنید	چھوٹا لشکر	حارثہ	مخنتی۔ کمانے والی
جندب	پردانہ	حارث	مخنتی، کمانے والا
حذیفہ	آسانی و آرام	حذافہ	سہولت
حسان	خوبصورت	حازم	مخاط
حسین	تیز رفتار	حصیب	کنکریاں مارنے والا
حفیر	شہری	حاطب	ایندھن جمع کرنے والا
حکیم	حکمت والا	حماد	تعریف کرنے والا

شیر	حمزہ	محافظ۔ بہادر	حماس
ہمیشہ	خالد (بن ولید)	تعریف والا	حمید
بلند، اونچا	خیب	بلند۔ تیز رفتار	خباب
سدا	خلاد	ترتیب دینا	خدیجہ
چھپنے والا	خنیس	ہمیشہ	خلید
سربراہ فوج	دجیہ	بارش	ابودجانہ
اٹھانے والا	رافع	اختتام، ایک جانور	درید
اصلی	رزین	باغ والا۔ بہار والا	ربیع
اقامت، رہائش			
ہدایت یافتہ	رشید	تقش و تحریر کرنے والا	ریم
بھلامنس			
وسط	رومان	تحریر۔ کتاب	رقیم
بلند۔ اونچا	رویفع	چمکیلا	راہر
کھیتی۔ بونا	زرعہ	شیر، محرر	زبیر
کھینچنے والا	حبان	چلنا۔ نکلنا	زویب
چھٹا، لڑکپن	سدیس	برسنے والا	حکیم
مرتب	سلاکان	چھپی چیز	سراقہ
محفوظ	سلیم	سلامت	سلمان
راہ گیر	سلیک	اچھی نسل	سلیط
نیزے کا بھالا	سنان	مچھلی فروش	سماک

قائد و راہنما	سیرین	آسانی و سہولت والا	سہیل
وضاحت کرنے والا	شرح	عطیہ / شیر کا پچہ	شہرہ
چمکیلا۔ خادم	سمساس	الگ تھلگ	شرید
چٹان	صفوان	روشن	صبح
ہنسنے والا	ضحاک	سرخ پٹی مائل	صہیب
معالج	ضداد	صابر دشمن کے لیے مضر	ضرار
پوشیدہ	ضمیر	ملنا	ضمام
غالب، مددگار	ظہیر	پیارے بچہ / ذریعہ	طفیل
بچانے والا	عاصم	الگ	عازب
عقل والا	عاقل	آخری	عاقب
آباد کرنے والا	عامر	پناہ لینے والا	عائذ
رحمن کا بندہ	عبدالرحمن	عبادت گزار	عباد
ڈانٹنا	عتبان	اللہ کا عاجز بندہ	عبید اللہ
بڑھتا	عدی	نگران	عداس
کڑا	عروہ	مضبوط	عرباض
کبوتر	عکرمہ	محفوظ	عصیم
آباد کرنے والا	عمیر	آبادی	عمرو
سال	عویم	طاقت ور	عمیس
طاقتور، غالب	غالب	خلیفہ	عیاض

فراس	فراست والا	فرزدق	خنیر۔ روٹی
فضیل	فضل والا	فہد	چیتا
ققادہ	پلان / ایک درخت	قدامہ	پیشوا
تقعاق	اسلحہ کی جھنکار	قیس	اندازہ
کرز	ذہین / شریف	کریب	مشکل
کعب	اونچائی	لبید	کثیر
لیث	شیر	ثنی	ملا ہوا
محصن	پاکباز	محمود	تعریف کیا گیا
مرشد	معزز / ترتیب شدہ	مرداس	پتھر
مسطح	فصح، سطح	مسعود	سعادت مند
مصعب	دشوار	معاذ	پناہ یافتہ
معاویہ	چلانے والا	معتب	ڈانٹنے والا
مغیرہ	لوٹنے والی۔ حملہ آور	مقداد	توڑنے کا آلہ
ملیل	اکتایا ہوا	منکدر	تیز رفتار
مهران	خوبصورت	نابغہ	فصح و بلیغ
نعمان	سرخ پھول	نعیم	نعمت والا
نواس	پر سکون مقام	واقد	روشن کرنے والا
وسیم	چاندی	وقاص	توڑنے والا

شیر	پشم	بچہ	ولید
اضافہ	یزید	برکت و قوت	یامین

مشہور صحابیات رضی اللہ عنہن کے نام

اعلیٰ خاندان والی	اشیلہ	بلند، علامت	اسماء
امن والی	آمنہ	اوپچی	اکیمہ
بلاش رحاصل کرنا	ابخشہ	قصد و ارادہ	امیمہ
عوض بدلہ	بدیلہ	پیاری	انیمہ
چکیلی	بریعہ	ٹھنڈی	بریدہ
موٹی تازی	تماضر	مٹھائی	بسیبہ
مجموعہ	جعونہ	جزا	ثوبیہ
پیاری	حبیبہ	صاف رخالی	جلیحہ
بردار	حلیمہ	خوبصورت	حسانہ
تعریف والی	حمیدہ	سرح انگور	حمنہ
تبدیلی	حولاء	گہری دوست	حمیمہ
سدا	خلیدہ	ہمیشہ	خالدہ
چھینا۔ ہٹنا	خفاء	بہادر	خلیبہ
توڑنا۔ سخت	خیثمہ	خادمہ	خولہ
بارش	دجانہ	پسندیدہ	خیرہ

ساز	رباب	عمدہ	رائعہ
مضبوط	رجیلہ	بہار	ربیعہ
مسافرہ	رحیلہ	مضبوط	رکانہ
برم دل	رقیقہ	عطیہ	رفیدہ
سونے کی چیز	زرینہ	کبل رربن	ریطہ
چکیلی	سانیہ	مالا	زئیرہ
جاری	ساریہ	معاون	ساعده
بیری کا درخت	سدرہ	ساتویں	سبیحہ
خوشبودار پودا	سعدی	جھکی ہوئی	سدلیہ
سکون والی	سکینہ	بیک سخت	سعیدہ
گندم گوں	سمرہ	سلامت	سلامہ
بلند رہم نام	سمیہ	چھوٹی مچھلی	سمیکہ
سہولت و آسانی	سھلہ	چک	سنا
کنارہ - صحت	شفا	حصہ دار	سھیمہ
اچھی عادات والی	شمیلہ	شریک - سگی بہن	شقیقہ
چٹان	صحزہ	خوشبودار خصلت	شیماء
تیز رفتار	ضباعہ	بندڑ مضبوط	صماء
پاک صاف	طاھرہ	ماہر - پوشیدہ	ضمہ

جلدی رچھڑا	عجلہ	اوپچی	عالیہ
سفید زمین	عفراء	تحفہ	(ام) عطیہ
عقل والی	عقلیہ	صاف رخالی	عقیرہ
آبادی	عمارہ	آباد	عمیرہ
چشمہ رسونے کا ٹکڑا	عینہ	گچھا انگورہ	عنقودہ
جلد	فروہ	ہرن رکثرت	غزیلہ
بقیہ رضیلت والی	فضالہ	شاخ	فربیہ
خوش طبع	فلمبہ	چاندی	فضہ
اوپچی	کعبیہ	سردار	کبشہ
دانا	لبابہ	ڈھیر کنکریاں	قبیصہ
دودھ	لبتی	عقل مند	لبیہ
برم و نازک	لمیس	دودھ کی طرح	لبیہ
قیمتی پتھر	مرجانہ	تاریک رات	لیلی
اطاعت گزار	مطیعہ	پسندیدہ	مرضیہ
مقصد حاصل کرنے والی	نانکہ	تحفہ	منیجہ
نسب والی	نسیہ	نشیب و گہری	نیشہ
عطیہ	نویلہ	صاف ستھری	نفسیہ
مضبوط رسی	واٹلہ	نمایاں	نھدیہ
پتا	ورقہ	لمبی نما جانور راون	ویرہ

بچوں کی کنیت رکھنا

کم سن و نابالغ بچوں کی کنیت رکھنا جائز ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ

((عن أنس قال : كان النبي ﷺ أحسن الناس خلقا ، وكان لي أخ يقال

له : أبو عمير قال احسبه فطيم ، وكان إذا جاء قال : ((يا أبا عمير! ما فعل

الغدير؟)) نغیر کان یلعب بہ فریما حضر الصلاة وهو فی بیتنا فیامر بالبساط

الذی تحته فیکنس وینضح ، ثم یقوم ونقوم خلفه فیصلی بنا))

”حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ حسن اخلاق میں سب لوگوں

سے بڑھ کر تھے، میرا ایک بھائی ابو عمیر نامی تھا۔ بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ بچہ کا دودھ

چھوٹ چکا تھا۔ آپ ﷺ جب تشریف لاتے تو اس سے مزاح فرماتے (یا ابا عمیر

ما فعل الغیر) ”اے ابو عمیر تیرے غیر (ایک پرندے کا نام) کا کیا بنا؟“ اکثر ایسا

ہوتا کہ نماز کا وقت ہو جاتا اور آپ ﷺ ہمارے گھر میں ہوتے۔ آپ ﷺ اس بستر کو

بچھانے کا حکم دیتے جس پر آپ ﷺ بیٹھے ہوئے ہوتے، چنانچہ اسے جھاڑ کر اس پر پانی

چھڑک دیا جاتا۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے اور

آپ ہمیں نماز پڑھاتے۔“ (۱)

لڑکی کی کنیت رکھنا

اسلام میں لڑکی کی کنیت کا بھی تصور موجود ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ

ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عائشة رضی اللہ عنہا أنها قالت یا رسول اللہ ! کل صواحبی لهن

کنی! قال : ”فاکتی بابتک عبد اللہ“ یعنی ابن اختها۔ قال : فکانت تکتی

بأم عبد اللہ))

(۱) [بخاری (۶۲۰۳) کتاب الأدب : باب الكنية للصبي وقبل أن يولد للرجل]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! میری تمام سہیلیوں کی کنیتیں ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اپنے بیٹے یعنی اپنی بہن (اسماء بنت مہلب بکر) کے بیٹے کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت أم عبداللہ رکھ لی۔“ (۱)

نومولود کو گڑھتی (تحنیک) دینا

لعوی اعتبار سے تحنیک کا معنی ”کسی چیز کو چبا کر نرم بنانا ہے۔“ (۲)

اور اصطلاحی اعتبار سے تحنیک کی تعریف کرتے ہوئے امام شوکانی ”رقطراز ہیں کہ ((والتحنیک: أن يمضغ المحنك التمر أو نحوه حتى يصير مائعا بحيث يتلع ثم يفتح فم المولود ويضعها فيه ليدخل شيء منها في جوفه))

”اور تحنیک یہ ہے کہ تحنیک کرنے والا شخص کھجور یا اسی طرح کی کوئی چیز چبائے حتیٰ کہ وہ مائع بن جائے جسے نگھلا جاسکے۔ پھر وہ بچے کا منہ کھول کر اسے اس میں رکھ دے تا کہ اس سے کوئی چیز بچے کے پیٹ میں داخل ہو جائے۔“ (۳)

یہ عمل مسنون و مستحب ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس کا ثبوت ہیں:

(۱) ((عن أبي موسى رضي الله عنه قال: ولد لي غلام فاتيت به النبي ﷺ، فسماه إبراهيم، فحنكه بتمر، ودعاه بالبركة، ودفعه إلي وكان أكبر ولد أبي موسى))

”حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی پھر

(۱) [ابو داؤد (۴۹۷۰) کتاب الأدب: باب فی المرأة تکنی، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا

ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۱۳۲)]

(۲) [مصباح اللغات (ص ۱۸۰/۱)]

(۳) [تیل الأوطار (۵۰۶/۳)]

مجھے دے دیا۔ یہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ (۱)

(2) ((عن أسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا أنها حملت بعد اللہ بن الزبیر بمكة، قالت: فخرجت وأنا متم، فاتيت المدينة، فنزلت بقاء فولدت بقاء، ثم أتيت به رسول الله ﷺ فوضعتہ فی حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فی فیہ، فكان أول شیء دخل جوفه ريق رسول الله ﷺ ثم حنكه بالتمرة، ثم دعا له فبرك علیه))

”حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ میں ان کے پیٹ میں تھے۔ انہوں نے کہا پھر میں (جب ہجرت کے لیے) نکلی تو وقت ولادت قریب تھا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے پہلی منزل قبائلیں کی اور یہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہو گئے۔ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور اسے آپ کی لود میں رکھ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے کھجور طلب فرمائی اور اسے چبایا اور بچہ کے منہ میں اپنا لعاب ڈال دیا۔ چنانچہ پہلی چیز جو اس بچہ کے پیٹ میں گئی وہ حضور اکرم ﷺ کا لعاب مبارک تھا پھر آپ ﷺ نے کھجور سے تحنیک کی اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔“ (۲)

امام نووی فرماتے ہیں کہ

((اتفق العلماء علی استحباب تحنیک المولود عند ولادته بتمر فإن تعذر فما فی معناه أو قریب منه من الحلوی))

”علماء نے اتفاق کیا ہے کہ بچے کو اس کی ولادت کے وقت کھجور کے ساتھ تحنیک

(۱) زبیری (۵۴۶۷) کتاب العقیقة: باب تسمیة المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه، و تحنیکه]

(۲) [ب۔ ی (۵۴۶۹) کتاب العقیقة: باب تسمیة المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه، و تحنیکه]

کرنا مستحب ہے لیکن اگر کھجور نہ ملے تو جو بھی اس معنی میں یا مٹھاس میں اس کے قریب ہو (اسی سے گڑھتی دے دی جائے)۔“ (۱)

نومولود کو تحفہ دینا

شیخ ابن شمیمینؒ کا فتویٰ:

((الهدية للمولود عند ولادته لا باس بها في الأصل لأن الأصل في الهدية وفي جميع المعاملات الحل والصحة إلا ما قام الدليل على تحريمه فاذا جرى العادة بأن الناس إذا ولد لهم الولد أهدى إليه أقاربه شيئاً من المال فلا باس أن يفعل ذلك الإنسان تبعاً للعادة والعرف لا تعبدوا لله عز وجل))

”در اصل نومولود بچے کو اس کی پیدائش کے وقت ہدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہدیہ میں اور تمام معاملات میں اصل جواز و صحت ہے الا کہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم ہو جائے اور جب یہ عادت جاری ہو جائے کہ لوگوں کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کے قریبی رشتہ دار مال سے کوئی چیز اس کی طرف ہدیہ بھیجیں تو اس میں کوئی حرج نہیں انسان عادت اور عرف کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کرے نہ کہ اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے۔“ (۲)

ختنہ کرانا

ختنہ کرانا انسانی فطرت کا حصہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

((عن أبي هريرة رضي الله عنه: سمعت النبي ﷺ يقول ”الفطرة خمس: الختان

والاستحداد، وقص الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الآباط))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے

ہوئے سنا ”فطرت میں پانچ چیزیں شامل ہیں: ختنہ کرانا، زیر ناف مونڈنا، مونچھیں کاٹنا،

(۱) [المجموع (۲۴۲/۸)]

(۲) [فتاویٰ اسلامیة (۳۲۸/۲)]

ناخن کا ثنا اور بغلوں کے بال اکھیڑنا۔“ (۱)

ختنہ کرانا انبیاء کی بھی سنت ہے بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

((عن أبي هريره رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال : اختتن ابراهيم عليه السلام

وهو ابن ثمانين سنة))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”حضرت ابراہیم علیہ السلام

کا ختنہ ہوا اور اس وقت ان کی عمر اسی (80) سال تھی۔“ (۲)

یہی وجہ ہے کہ عرب میں ختنہ کا عام رواج تھا جیسا کہ حدیث ہرقل میں ہے کہ

((اتى هرقل برجل أرسل به ملك غسان يخبر عن خبر رسول الله ﷺ

فلما استخبره هرقل قال اذهبوا فانظروا أمختنن هو أم لا ؟ فنظروا إليه فحدثوه

أنه مختنن وسأله عن العرب فقال هم يختنون))

”ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جسے شاہ غسان نے بھیجا تھا۔ اس نے رسول

اللہ ﷺ کے حالات بیان کیے جب ہرقل نے (سارے حالات) سن لیے تو کہا کہ جا

کر دیکھو وہ ختنہ کیے ہوئے ہے یا نہیں؟ انہوں نے اسے دیکھا تو بتلایا کہ وہ ختنہ کیے

ہوئے ہے۔ ہرقل نے جب اس شخص سے عرب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا

کہ وہ ختنہ کرتے ہیں۔“ (۳)

یہ عرب کا رواج تھا پھر بعد ازاں نبی کریم ﷺ نے بھی اس کو برقرار رکھا اسی لیے صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم بھی ختنہ کرایا کرتے تھے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

(۱) [بخاری (۵۸۹) کتاب اللباس : باب تقليم الأظفار]

(۲) [بخاری (۳۳۵۶) کتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى ”واتخذ الله

إبراهيم خليلًا“ - مسلم (۲۳۷۰) أحمد (۳۲۲/۲) حاکم (۱۵۵/۲)]

(۳) [بخاری (۷) کتاب بدء الوحى : باب كيف كان بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ]

((عن سعید ابن جبیر قال سئل ابن عباس رضی اللہ عنہما : مثل من أنت حين قبض النبي ﷺ؟ قال : أنا يومئذ مختون قال : وكانوا لا يختنون الرجل متى يدرك))
 ”سعید بن جبیر“ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا: جب نبی ﷺ فوت ہوئے تو آپ کس کی مثل تھے؟ انہوں نے کہا میں اس وقت ختنہ کراچکا تھا، مزید فرماتے ہیں کہ اور وہ لوگ بالغ ہونے سے پہلے مرد کا ختنہ نہیں کرتے تھے۔“ (۱)
 علاوہ ازیں ایک حدیث میں ختنہ کے متعلق آپ ﷺ کا حکم بھی موجود ہے جیسا کہ سنن أبی داؤد میں ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور مسلمان ہو گیا..... آپ ﷺ نے اسے حکم دیا

((ألق عنك شعر الكفر واختن))

”اپنے آپ سے کفر کے بال (یعنی کافروں جیسی ہیئت کے بال) منڈا دو اور ختنہ کرا لو۔“ (۲)

یہی وجہ ہے کہ امام شوکانیؒ نے ختنہ کے وجوب کو ہی ترجیح دی ہے۔

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

((ثبوت مشروعية الختان في هذه الملة الإسلامية أوضح من شمس النهار..... فالقول بوجوبه هو الحق))

”اس ملت اسلامیہ میں ختنہ کرانے کی مشروعیت کا ثبوت دن کے آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے..... اور اس کے وجوب کا قول ہی برحق ہے۔“ (۳)

لہذا والدین کو چاہیے کہ خود ساختہ رسم و رواج سے اجتناب کریں اور اپنے بچوں کے

- (۱) [بخاری (۶۲۹۹) کتاب الاستئذان : باب الختان بعد الکبر و تنف الإبط]
 (۲) [ابو داؤد (۳۵۶) کتاب الطہارۃ : باب الرجل یسلم فیومر بالغسل ، شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۳۴۳)]
 (۳) [السبل الحرار (۲۵۲/۳)]

بروقت ختنے کرائیں۔

ختنہ کرانے کا وقت

ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ختنہ بھی عقیقہ کے ساتھ پیدائش کے ساتویں روز ہی کرادینا چاہیے اور وہ روایت یہ ہے:

((عن جابر بن عبد الله عن رسول الله ﷺ عن الحسن والحسين وختنهما

لسبعة أيام))

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقہ اور ان دونوں کا ختنہ ساتویں روز کیا۔“ (۱)

کیا لڑکیوں کا بھی ختنہ کرایا جائے گا؟

عرب میں لڑکیوں کے ختنہ کا بھی رواج تھا پھر یہ رواج عہد رسالت میں بھی رہا اور آپ ﷺ کے علم میں بھی تھا لیکن آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ ایک روایت سے تو آپ ﷺ سے بھی اس کی اجازت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ

((عن أم عطية الانصارية رضى الله عنها أن امرأة كانت تختن

بالمدينة فقال لها النبي ﷺ ”لا تنهكى“ فإن ذلك أحظى للمرأة وأحب

إلى البعل“))

”حضرت أم عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک عورت ختنہ کیا

کرتی تھی۔ نبی ﷺ نے اسے کہا (لڑکیوں کا ختنہ کرتے وقت) مبالغہ نہ کرو کیونکہ یہ عورت

کے لیے زیادہ لذت کا باعث ہے اور شوہر کی طرف زیادہ پسندیدگی کا ذریعہ ہے۔“ (۲)

(۱) [بیہقی فی السنن الكبرى (۳۲۴/۷) مجمع البحرين (۱۹۰۲) طبرانی صغیر

(۸۹۲) یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔]

(۲) [ابو داؤد (۵۲۷۱) کتاب الأدب: باب ما جاء فی الختان، شیخ البانی نے اس روایت

کو صحیح قرار دیا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۴۳۹۱) سلسلۃ الأحادیث الصحیحة (۸۲۱)]

حافظ عبدالمنان نوری پوری کا فتویٰ:

کسی نے سوال کیا کہ عرب اور افریقہ میں عورتوں کا ختنہ کیا جاتا ہے کیا اسلام میں اس کا کوئی تصور ہے؟

تو حافظ صاحب نے جواب دیا کہ صاحب عون المعبود (۵۴۳/۴) نے عورت کے ختنہ پر احادیث کو جمع کیا ہے آخر میں لکھا ہے:

((وحدیث ختان المرأة روی من أوجه كثيرة، وكلها ضعيفة معلولة مخدوشة لا يصح الاحتجاج بها كما عرفت، وقال ابن المنذر: ليس في الختان خبر يرجع إليه ولا سنة يتبع - وقال ابن عبدالبر في التمهيد: والذي أجمع عليه المسلمون أن الختان للرجال))

”اور عورت کے ختنہ کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو سب ضعیف معلول اور مخدوش ہیں ان سے حجت پکڑنا صحیح نہیں؛ جس طرح آپ پہچان گئے اور ابن منذر نے کہا ختان میں کوئی حدیث نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے اور نہ کوئی سنت ہے جس کی پیروی کی جائے اور ابن عبدالبر نے تمہید میں کہا وہ چیز جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے یہ ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے ہے۔“ (واللہ اعلم)

روایت ((الختان سنة للرجال، ومكرمة للنساء)) ”ختنہ سنت ہے واسطے مردوں کے اور کریمانہ فعل ہے واسطے عورتوں کے“ کی بعض اسانید کو امام سیوطی نے حسن قرار دیا ہے مگر اکثر اہل علم اس کو ضعیف ہی قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ محدث شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ضعیف جامع صغیر اور سلسلہ ضعیف ہی میں ذکر فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے ختان کو خصال فطرت میں ذکر فرمایا ہے وہاں مرد کی تخصیص نہیں فرمائی صحیح بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزة (۵۸۳/۲) میں ہے غزوہ احد میں جب قتال کے لیے لوگ صف بستہ ہو گئے تو سباع نامی کافر نے نکل کر لکارا:

((هل من مبارز قال : فخرج إليه حمزة بن عبدالمطلب ، فقال : يا سباع يا ابن أم أنمار مقطعة البظور أتحد الله ورسوله - قال : ثم شد عليه فكان كأمس الذاهب))

”کیا کوئی ہے جو مجھ سے لڑے یہ سنتے ہی حمزہ بن عبدالمطلب اس کے مقابلہ کے لیے نکلے اور کہنے لگے ارے سباع ارے ام نمار (حجرتی) کے بیٹے تیری ماں تو عورتوں کے لئے تراشا کرتی تھی کبخت نائن تھی اور تو اللہ ورسول سے مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر حمزہ نے اس پر حملہ کیا اور جیسے گل کا دن گزر جاتا ہے اس طرح صفحہ ہستی سے اس کو نابود کر دیا۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے نزول شریعت کے زمانہ میں عربوں میں عورت کا ختنہ کیا جاتا تھا مگر کتاب و سنت میں کہیں اس کی تردید وارد نہیں ہوئی تو پتہ چلا کہ اسلام میں بھی عورت کے ختنہ کا تصور ہے۔ (۱)

واضح رہے کہ لڑکی کا ختنہ اس طرح کیا جاتا تھا کہ اس کی شرمگاہ کے اوپر سے چمڑے کا کچھ حصہ کاٹ دیا جاتا تھا۔ (۲)



(۱) [احکام و مسائل (۱/۴۹۹)]

(۲) [عون المعبود (۱۴/۱۲۳)]

ذبح کا اسلامی طریقہ

شرعی، سائنسی اور طبی حقائق کی روشنی میں

از ڈاکٹر شفیق الرحمن کیلانی حفظہ اللہ

ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

آج عید الاضحیٰ ہے۔ 10 ذی الحجہ کا دن اور صبح کوئی 8 بجے کا عمل ہے۔ جگہ جگہ جانور ذبح ہو رہے ہیں۔ سامنے بہت سے لوگ ایک بہت بڑے دائرے کی صورت میں جمع ہیں۔ آئیں، ہم بھی چلتے ہیں۔ ایک گائے کو ایک دو آدمیوں نے رسوں کے ذریعے جکڑ کر، لٹا کر قابو کر رکھا ہے۔ قصاب نے اپنا بایاں پاؤں گائے کی گردن پر رکھا ہے، اب وہ گائے کے سر پر کھڑا، ہوا میں چھری کو ایک دوسری چھری سے باہم رگڑ کر تیز کر رہا ہے اور بعد میں اسے ہوا میں لہرا رہا ہے۔ لیجئے! اس نے آنا فانا شہ رگ کاٹی، ساتھ ہی اس کی گردن کو پیچھے کی طرف موڑ کر موڑ کر جھکادے کر اس کا منکا توڑا۔ اسی چھری کی نوک سے اس کی بقایا سامنے موجود نسیں (Ligaments) کاٹیں اور ساتھ ہی سامنے نظر آنے والے حرام مغز کی بتی (Spinal Cord) کو بھی مکمل طور پر کاٹ دیا۔ دماغ اور جسم کا جو رابطہ رباطہ حرام مغز کی بتی کے ذریعہ بحال تھا، جس کے ذریعے سے جسم کے دو دراز حصوں (کھر، دم، سر وغیرہ) سے خون کی نجاست نے جسم سے نکل کر اسے اپنی آلودگیوں سے پاک کرنا تھا۔ وہ خون ابھی شہ رگ کے قریب قریب سے معمولی سا (کم و بیش نصف مقدار میں) خارج ہوا ہی تھا کہ بتی کاٹنے کے اس عمل کے ساتھ ہی گائے کے پورے بدن کو ایک جھک سا لگا اور وہیں گائے ساکت ہو گئی۔ خون بھی زیادہ تر اندر ہی رہ گیا اور قصاب نے پچھلی کونچوں سے کھال کاٹ کر اُدھیڑنا شروع کر دی۔

(1) اُسوہ حسنہ

آئیے! دیکھیں اس سلسلے میں ہمیں پیارے نبی ﷺ سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

1- دعائیں، نیت اور تکبیر پڑھنا

((عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبي ﷺ يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجنين فلما وجههما قال: "إِنِّي وَجْهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَىٰ مِثْلَةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِاسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ" ثم ذبح)) (۱)

”سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن یعنی عید الاضحیٰ کو دو سینگوں والے مینڈھے ذبح کئے جن میں سفیدی غالب تھی اور وہ خصی تھے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں قبلہ رخ کیا تو یہ دعا پڑھی: میں اپنا چہرہ اس اللہ رب العزت کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا، میں ملت ابراہیمی پر قائم ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں۔ میری نماز، قربانی، جینا، مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، میں اسی کا حکم دیا گیا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، اللہ تعالیٰ تیرے نام سے، تیرے لئے محمد (ﷺ) کی اور ان کی امت کی طرف سے..... اللہ کے مبارک نام کے ساتھ اور اللہ بہت بڑا ہے۔ پھر آپ نے ذبح کیا۔“

2- (الف) احسان کے ساتھ راحت پہنچاتے ہوئے ذبح کرنا

((عن رسول الله ﷺ قال: إن الله كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبحة - وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته)) (۲)

”رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کا رویہ اختیار کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب تمہیں کسی کو (قصاص یا میدان جنگ وغیرہ

(۱) [سنن ابوداؤد، کتاب الضحایا، باب ما يستحب من الضحایا]

(۲) [مسلم، نسائی، احمد، ابن ماجہ، عن ابی یعلیٰ، شداد بن اوس]

میں بھی) قتل بھی کرنا ہو تو اسے بھی اچھی طرح سے (جلد از جلد) انجام دو اور اگر (جانور) ذبح کرنے لگو تو بھی اچھے انداز میں (چابک دستی سے) کرو اور چھری کو اچھی طرح تیز کرو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔“

اچھی طرح سے اور اچھے انداز میں، کا مطلب جلد از جلد اور چابک دستی سے ہی ہے جیسا کہ ذیل کی حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے:

(ب) چھریوں کو جانوروں سے چھپاؤ

((عن عبد الله بن عمر قال أمر رسول الله بحد الشفار وأن توارى عن

البهائم وقال إذا ذبح أحدكم فليجهز))

”نبی کریم ﷺ نے چھریوں کو تیز کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ اسے جانوروں سے چھپایا جائے اور کہا کہ جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو (چھری پھیرنے میں) جلدی کرو“ (۱)۔
نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کے سامنے چھری تیز کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو اسے جیتے جی ہی مار رہے ہو۔

(ج) کھال اتارنے میں جلد بازی نہ کریں

جانور کو ذبح ہو جانے، حتی الوسع تمام خون نکل جانے، طبعاً ٹھنڈا ہو کر بے حس و حرکت اور ساکت ہو جانے تک اس کی کھال اتارنے میں جلد بازی نہ کی جائے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں: ﴿لَا تَعْجَلُوا الْأَنْفُسَ أَنْ تَزْهَقَ﴾
”جانور کی روح نکالنے میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ خون نکل جائے۔“ (۲)

ان تعلیمات نبوی ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ جانور کو پہلے کھلا پلا کر، خوش کر کے، آرام و اطمینان سے اسے کسی بھی طرح سے دہشت زدہ، خوفزدہ کئے بغیر نرم زمین پر لٹایا جائے۔

(۱) [احمد، ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح]

(۲) [سنن دارقطنی و إرواء الغلیل (۲۰۴۲)]

چھری کو کسی اوٹ مثلاً دیوار یا کسی پردہ سے یک دم نکالا جائے اس سے پہلے جانور کی آنکھوں پر تر ججا کپڑا ڈال لیں۔

3- تقرب إلى الله

کیونکہ اگر دونوں بڑے کام کر لیے جائیں لیکن اسے کسی آستانے پر ذبح کیا جائے اور نیت ذبح لغیر اللہ کی ہو تو صرف اسی وجہ سے وہ حرام ہو جائے گا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فِسْقٌ﴾ [المائدة: ۳]

”تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو اور جو گلہ گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن تم اسے ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو، یہ سب بدترین گناہ ہیں۔“

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ذکَّيْتُمْ ارشاد فرما کر اسے شرعی ذبح اور کھانے کے لئے حلال قرار دیا جبکہ آگے ذَبِحَ کا لفظ ارشاد فرما کر آگے مذکور شرعیہ عمل کی نجاست کی وجہ سے جانور ہی کو حرام قرار دے دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ محض ذبح کر دینا حتیٰ کہ تکبیر بھی پڑھ دینا، اسے شرعی معنوں میں حلال نہیں کر دیتا جب تک کہ اس کا مقصود تقرب الی اللہ اور رضوان من اللہ حاصل کرنا نہ ہو۔

(2) جدید طبی تحقیقات / شرعی بصائر

1- شرعی ذبح کا سائنسی جائزہ..... اچانک زخم:

جب بھی کوئی بھرپور جوانی والا (مُسْتَيْتٌ : دوندلا) حلال جانور اس کیفیت کے ساتھ اچانک ذبح کیا جاتا ہے کہ اسے اس سے پہلے، دوران یا بعد میں خوفزدہ نہ کیا گیا ہو، خصوصاً ذبح کے بعد حرام مغز کی بتی نہ کاٹی گئی ہو۔

(الف) اس کا خون زیادہ آسانی اور تیزی سے بکثرت نکلتا ہے اور اکثر تقریباً سارا نکل آتا ہے اور دل کی دھڑکن کافی دیر تک تیز رہتی ہے۔

(ب) زخم لگتے ہی، خصوصاً خون کی مقدار جسم میں کم ہوتے ہی دل و دماغ کے باہمی ہنگامی رابطے ہوتے ہیں، دل دماغ کو حکم دیتا ہے کہ (حکماء کی زبان میں) ”اب قوتِ مدبرہ کو جگاؤ، تمام اعصاب کو ہنگامی حالات کی خبر دے کر جان بچانے کے لئے جو ہو سکتا ہے کرو“۔ دماغ جواباً ایک طرف دل کے لئے تیز تیز دھڑکننا تجویز کرتا ہے تاکہ خون کو کم مقدار کے باوجود اسے جلدی جلدی پمپ کر کے جسم کے تمام حصوں تک پہنچا کر اس کے ذریعے آکسیجن (حیاتی گیس Life Gas) دل و دماغ کو پہنچائی جاسکے۔ دوسری طرف خود کار اعصابی نظام (Autonomous Nervous System) کو حکم ملتا ہے کہ وہ یہ خون جسم کے ہر ہر حصے تک جلدی جلدی پہنچانے اور گندا خون واپس لانے کے لئے متحرک و مستعد ہو جائے۔ اس سے بدن میں خون کی مقدار کم ہو جانے کے باوجود دھڑکن، نبض چلتی رہتی ہے، دوران خون تیز ہو جانے کی وجہ سے بلڈ پریشر کافی دیر تک اور کافی حد تک قائم رہتا ہے اور ہلکدم نہیں ختم ہو جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حتی الوسع تمام خون بدن کے کونے کونے سے نکل جانے تک دماغ اور خود کار اعصابی نظام کام کرتا رہتا ہے۔

(چنانچہ اڑتے ہوئے پرندے کو اگر گولی سے شکار کیا جائے اور پھر وہ زخمی اور زندہ حالت میں مل جائے تو تب بھی اسے ذبح کر دینا بہتر ہے تاکہ خون اچھی طرح نکل جائے۔)

یہ رحم دلانہ، آسان ترین اور بہترین طریقہ موت ہے جو شرعی ذبیحہ والے جانور کو

اسلام کی طرف سے رحمت للعالمین ﷺ کے بتائے ہوئے اسوۂ حسنہ کے مطابق تجویز ہوا ہے۔ اسی طریقہ میں موت کی تکلیف بھی سب سے کم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تقریباً تقریباً اسی کیفیت سے جان آفرین کے سپرد کرنے (شہادت) پر شہید اللہ کی طرف سے بار بار ”کچھ مانگو“ کی پیشکش / حکم پر یہ جواب دیتا ہے کہ ”مجھے دوبارہ شہادت کی موت عطا فرما“ اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”واللہ! میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔“ (۱)

2- خون..... ماڈی (طبی) و شرعی حقائق

(الف) مینڈھے، بھیڑ میں کل خون اسکے زندہ وزن کا اوسطاً تقریباً بارہواں حصہ (8.01%) ہوتا ہے اور بیل میں اوسطاً تقریباً تیرہواں حصہ (7.71%) ہوتا ہے۔ (Blacks Veterinary Dictionary p. 93) مثلاً اگر کسی مینڈھے، بھیڑ کا زندہ وزن 60 کلو ہے تو اس کے اندر تقریباً 5 کلو تک خون ہوگا اور 325 کلو وزنی گائے میں 25 کلو تک خون ہوگا، وعلیٰ ہذا القیاس..... انسانی معدہ خون ہضم نہیں کر سکتا کیونکہ انسانی معدہ میں خون کی لحمیات (ہیموگلوبن وغیرہ) کو ہضم کرنے والے خامرے (Enzymes) نہیں پائے جاتے بلکہ خون پینے کی کوشش پر تونج تک ہو سکتا ہے۔

(ب) خون جراثیم کی بڑھوتری کا بہترین ذریعہ (Growth & Culture Medium) ہے۔ لیبارٹریوں میں جب کسی مریض کی پیپٹسٹ کرتے ہیں تو اسے خون سے تیار کردہ ایک مرکب میں ڈال دیتے ہیں۔ پیپ کے جراثیم ایک ہی دن میں کروڑوں کی تعداد میں بڑھ جاتے ہیں۔ جب ان کی تعداد بہت ہی زیادہ ہو جاتی ہے تو ان کی نہ صرف شناخت آسان ہو جاتی ہے بلکہ ان پر مختلف دوائیاں (Antibiotic) ڈال کر دیکھا بھی جاسکتا ہے کہ وہ کس دوائی سے مرتے ہیں۔ اس طرح بیماری کے باعث کا پتہ لگنے کے

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الایمان]

ساتھ ساتھ (بلکہ اس سے پہلے ہی) علاج بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اس عمل میں پتے کی بات یہ ہے کہ جراثیم خون پر ہی پھلتے پھولتے ہیں۔ اس لئے خون کا استعمال متعدد خطرات کا باعث ہو سکتا ہے۔ (۱)

غالباً اسی لئے انسان کے لئے خون حرام ہے۔ قرآن کریم میں اس کی حرمت کے بارے میں کم از کم چار دفعہ ذکر ہوا ہے۔ ہر جگہ پہلے مردار بعد میں خون۔ مردار بھی غالباً اسی لئے حرام ٹھہرایا گیا ہے کہ اس کے اندر عموماً سارا خون رہ جاتا ہے۔ صاحب تیسیر القرآن مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”خون چونکہ حرام ہے، اس لئے موت کی ہر وہ صورت جس میں خون جسم سے نکل نہ سکے، وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوئی۔“ [سورۃ المائدہ: ۳، حاشیہ ۱۳]

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مردار اور جھٹکا اگر مکمل حرام ہے تو آدھا یا کم و بیش خون نکلنے دینا اور باقی اندر رہنے دینا نیم حرام ہونے کے زمرے میں آتا ہے۔

قرآنی لفظ ﴿ذَکَّیْتُمْ﴾ ”جسے تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو“ میں ایک دلچسپ لغوی نکتہ ہے کہ ﴿ذَکَّیْتُمْ﴾ ذاء سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جانور کو اس طریقے سے ذبح کرنا کہ اس کی جان جلد از جلد اور سہولت نکل جائے۔ اس میں جانور کی سہولت کا خیال رکھنا۔ (۲)

دوبارہ واضح رہے کہ اس میں جلد از جلد کا تعلق چھری کی تیزی اور استعمال میں چابک دستی سے ہے۔ جیسا کہ پیچھے حدیث ”لَا تَعْمَلُوا الْأَنْفُسَ أَنْ تَزْهَقَ“ کی تشریح میں واضح کیا گیا ہے۔ نہ کہ منکا توڑ کر تکلیف در تکلیف اور نیم جھٹکا کرنے سے۔ جیسا کہ آگے بھی تفصیل آرہی ہے۔

(۱) [طب نبویٰ اور جدید سائنس از ڈاکٹر خالد غزنوی: جلد ۲، صفحہ ۴۷۹]

(۲) [مقاییس اللغة بحوالہ مترادفات القرآن از مولانا عبد الرحمن کیلانی ص ۵۲۷]

اس بارے میں حدیث میں الزکوة، اذکیتھما، فذکیتھما (ذاء سے، بمعنی ذبح کرنا) کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں: جیسا ”الا إن الذکوة فی الحلق واللبة“ ”ذبح حلق اور حجرہ پر ہے“ (دارقطنی، عن ابی ہریرۃ ابن ماجہ عن محمد بن صفوان، کتاب الصيد) ذبح کے لئے اس مادہ کا استعمال بڑا ذمہ داری سے ہے۔

(ج) جب جانور کے جسم میں ابھی کافی جان باقی ہوتی ہے کہ اس کے حرام مغز کو کاٹ کر دل و دماغ کو صدمہ اور پورے جسم کو ایک جھٹکا لگا دیا جاتا ہے۔ اس سے جسم میں کیا ہلاکت آفرینیاں ہوتی ہیں، ان میں سے بیشتر کا تعلق ہشامین، ایڈرینالین سے بڑھ کر Cerebro-Spinal Fluid (CSF) (دماغی نخاعی سیال) کے خارج ہونے سے ہے۔ یہی دماغی موت (Brain Death) ہے یعنی وہ حالات جن میں دماغ کے کلیدی اجزاء بالخصوص (Brain Stem) کام کرنا چھوڑ دیں۔ تعین موت کا یہی سب سے زیادہ بااعتماد اور جدید طریقہ ہے جبکہ سابقہ معیار تعین موت (سانس، نبض اور حرکت قلب وغیرہ کا بند ہو جانا) اب حتمی نہیں رہے“

(The Penguin Dictionary of Psychology, by Arthur S. Reber, Ed. 1985, P. 101)

جب بھی مندرجہ بالا CSF خارج ہوتا ہے تو دماغی موت واقع ہو جاتی ہے۔ گردن مروڑنے سے، پھر منکا توڑنے سے، پھر CSF خارج ہونے سے سخت صدمات سے، ہشامین کا اخراج ہوتا ہے اور جھٹکے کے ساتھ دماغی موت کا پہلا مرحلہ واقع ہو جاتا ہے جبکہ حرام مغز کی ہتی کاٹنے سے آخری جھٹکا اور دماغی موت مکمل ہو جاتی ہے۔

سائنسی پس منظر: سائنسی طور پر جب بھی کوئی شخص یا جانور کسی دہشت ناک منظر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائے یا دل و دماغ کو کسی بھی طرح سے کوئی دہشت پہنچائی جائے، کوئی ضرب، چوٹ (پنجابی میں ”گجھی سٹ“) (Blunt Injury or Contused)

(wound - لگائی جائے، صدمہ پہنچایا جائے تو ان صورتوں میں کم و بیش کیفیات یہ ہوتی ہیں کہ دہشت اور درد کے مارے اس کا خون خشک ہو جاتا ہے..... نبض کمزور اور سست پڑ جاتی ہے اور مدہوشی طاری ہو جاتی ہے، پتلیاں پھیل جاتی ہیں۔ (۱)

پھیپھڑوں، جگر، جلد میں موجود مادہ ہشائین فوراً خارج ہو کر خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس زہریلے مادے سے خون کی نالیوں کا قطر بڑھ جاتا ہے اور یہ پھیل جاتی ہیں (Vasodilation) جس سے خون کا دباؤ کم اور اخراج خون بہت ہی کم ہو جاتا ہے۔

(Blacks Veterinary Dictionary p 364, Geoffrey P. West, 12th Ed. ELBS London)

ہشائین، ہیموگلوبن میں موجود ایک کیمیائی مادہ ہے جو کم مقدار میں بھی عضلات

(گوشت) اور خون کی نالیوں پر گونا گوں برے اثرات ڈالتا ہے (A Pocket Medical Dictionary, Lois Oaks, London, P 206) یہ

ہشائین جسم کے رگ دریشہ میں کس حد تک پیدا ہوتی ہے اور اس کی مہک (Smell) سے بدن کا گوشت کس حد تک متاثر بلکہ زہر آلود ہو جاتا ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب جنگل میں کوئی شخص کسی درندے کو دیکھ کر دہشت کا شکار ہو جاتا ہے تو اس عمل سے پیدا ہونے والی ہشائین کو وہ درندہ شیر وغیرہ، بہت دور ہی سے سونگھ کر جان لیتا ہے کہ قریب ہی ایسا کوئی شکار (حیوان یا انسان) موجود ہے جو میری موجودگی سے دہشت زدہ ہو گیا ہے۔ وہ ہشائین کی 'خوشبو' کی سمت سفر کرتا ہوا شکار کو بوج لیتا ہے۔ حالانکہ ابتدا میں وہ شکار اس کے دائرہ نگاہ میں نہیں ہوتا۔ (۲)

اسلام نے ان تمام کیفیات کا احاطہ کر دیا ہے جن میں ہشائین پیدا ہوتی اور جسم کو متاثر کرتی ہے۔ وہ تمام حالات جن میں مجروح ہونے کے بعد ہشائین پیدا ہوتی ہے گوشت کو

(۱) [طب نبوی: خلاصہ ص ۴۸۵]

(۲) [طب نبوی: ص ۴۸۶، ۴۸۷]

بدذائقہ، بدرنگ اور مضرت بنادیتے ہیں۔

جانوروں میں چوٹ کھانے یا خاص طور پر کند آلے سے مجروح ہونے کے بعد ہشامین کی پیدائش کی وجہ سے بلڈ پریشر گر جاتا ہے۔ گوشت کارنگ گہرا سرخ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے طبی زبان میں (Blunt Injuries) میں، زخمی ہونے والے جانوروں کا گوشت حرام قرار دے کر اپنے ماننے والوں کے لئے بیماریوں سے بچاؤ کا ایک اہم منصوبہ پیش کیا ہے۔ حرام جانوروں کی فہرست میں ان کیفیات کو دیکھ کر ہم کو بہت پہلے ہی احساس ہو جانا چاہئے تھا کہ ان تمام حالات میں ایک ایسی قدر مشترک ہے جو اس طرح زخمی ہونے والے جانوروں کے گوشت کو کھانے والوں کے لئے مضرت بنادیتی ہے۔ ان جانوروں کو انسانی استعمال کے لئے ناقابل (Unfit) قرار دینا اسلام کا ایک اہم احسان ہے جو ٹھوس سائنسی حقیقت پر مبنی ہے۔ (۱)

چھری پھیرنے کے فوراً بعد گردن موڑنے ر مروڑنے کے اس صدمہ و انقطاع حرام مغز سے خون کا ایک زہر (ہشامین) پورے بدن میں پھیل جانے، خون کی نالیاں پھیلنے سے خون کا دباؤ کم ہو جانے اور دماغ کا باقی سارے بدن سے رابطہ ختم ہو جانے سے فوراً ہی جانور کے ساکت و صامت ہو جانے پر بیشتر خون بہت زہریلا ہو کر اندر ہی رہ جاتا ہے۔ متذکرہ بالا گائے کے قریباً 25 کلو خون میں سے خارج ہو سکنے والے تقریباً 20 کلو خون کی بجائے قریباً 10 کلو ہی نکلتا ہے۔ باقی خون اور اس کا زہر پورے بدن کے گوشت میں پھیل جاتا ہے۔ یہ گوشت شروع میں گہرا سرخ ہوتا ہے۔ موسم کے مطابق تین چار گھنٹوں میں سیاہی مائل ہو جاتا ہے، مخصوص بدبودار بو دینے لگتا ہے، اچھی طرح گلتا ہے، نہ پورے طور پر ہضم ہوتا ہے۔ پکاتے وقت عجیب قسم کی (خون جلنے کی) بدبو اور سڑاؤ بھی آتی ہے۔ یہ ساری سزا ﴿ذَکِّیْتُمْ﴾ کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے ہے۔

(۱) [طب نبوی اور جدید سائنس از ڈاکٹر خالد غزنوی، خلاصہ ص ۴۸۷]

3- شرعی و روحانی حقائق رِ بَصائر

ایک سائنسی تجربہ میں ایک جانور کو جھٹکا کیا گیا جبکہ دوسرے کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا (اور جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کے حرام مغز کی بتی نہیں کاٹی گئی) ساتھ ہی دونوں جانوروں کا خون لے کر اور ان دونوں نمونوں کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا۔ جھٹکے والے جانور کے معمولی بننے والے خون میں کافی ہٹامین (زہر) پائی گئی، نیز اس جانور کے بدن میں بھی کافی ہٹامین والا خون پایا گیا جبکہ ذبیحہ والے جانور کا خون بہت زیادہ مقدار میں خارج ہوا جو کیمیاوی معائنہ میں تقریباً طبعی (نارمل) پایا گیا۔ جانور کے بدن میں برائے نام خون تھا جو کہ نارمل تھا۔

اسی طرح ایک دوسرے تجربے میں دو جانوروں کو ذبح کیا گیا ایک پر بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھی گئی اور دوسرے پر نہیں پڑھی گئی۔ دونوں کے دل کا برقی معائنہ (ECG) ذبح کے وقت کیا گیا۔ تکبیر والے جانور کے دل کا معائنہ بتاتا تھا کہ وہ پوری شد و مد کے ساتھ حرکت کرتا رہا جبکہ دوسرے جانور کا ریکارڈ بے انتہا منتشر انداز کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مخلوق جانور بھی ذبح کے وقت اللہ کا نام لئے جانے سے اطمینان سے جان دیتے ہیں کہ وہ اپنے خالق کے طے کردہ نظام کے مطابق جان دے رہے ہیں جبکہ اس کے برعکس ان کی موت بھی بہت دکھ اور کرب کی موت ہوتی ہے۔

(3) مذبح منیٰ کا واقعہ

منیٰ (سعودی عرب) کا ذبیحہ خانہ پوری دنیا کا سب سے بڑا ذبیحہ خانہ ہے جس کا رقبہ پانچ لاکھ مربع فٹ ہے۔ (شہری لحاظ سے تقریباً 14 ایکڑ اور دیہی و زرعی لحاظ سے تقریباً ساڑھے گیارہ ایکڑ) جس میں روزانہ دو لاکھ مویشی ذبح کیا جاسکتے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق ”بارہ کروڑ ڈالر کی لاگت آنے والے اس ذبیحہ خانے میں دس ہزار

کارکن کام کریں گے۔“ (۱)

1990ء میں راقم کو اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی سعادت بخشی تو منیٰ میں قربانیوں کی صورت حال کے معائنہ کا موقع بھی عطا فرمایا۔ گروپ کے باقی تمام افراد (جو بیشتر اعزہ و اقارب ہی تھے) نے راقم کو اس کی پیشہ ورانہ تعلیم و تجربہ کے پیش نظر گروپ کا متفقہ نمائندہ بنا کر مذبح منیٰ میں بھیجا۔ وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی متعدد قصاب حضرات پاکستانی ہیں اور ان میں بھی ابتدا میں ذکر کی گئی تکلیف دہ عادات ہی پائی جاتی ہیں کہ اسی طرح ہی فوراً گردن کاٹ کر اور منکا (Ligaments of Atlanto-axial Joint) توڑ کر جانور کا خون پورا نکلنے سے کافی دیر پہلے ہی اسے ساکت کر دیتے ہیں جس سے پاک کرنے کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس کا اثر قربانی کی حلت و حرمت تک جا پہنچتا ہے۔ چنانچہ راقم نے وہیں بیٹھے بیٹھے تین چار اوراق میں منصوبہ گوشت قربانی (Sacrificial Meat Project) کے منتظم اعلیٰ جناب صدر اسلامی ترقیاتی بنک جدہ کے نام انگریزی میں ایک خط لکھ کر اس تکلیف دہ صورت حال کو شرعی اور طبی بنیادوں پر واضح کر کے یہ تحریر ان کے مقامی دفتر میں وصول کرائی جس کا جواب بھی انہوں نے جلد ہی شکر یہ ادا کرتے ہوئے بھیجا۔ جس میں بیان کیا کہ ”اس سلسلے میں آپ کی مشاہداتی رپورٹ ڈاکٹروں تک پہنچادی جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ اس معاملے میں اس کے مطابق خیال رکھیں گے۔“

باوجود اس بات کے کہ وزارت حج، وزارت انصاف اور افتاء و دعوت کے علماء پر مشتمل کمیٹی اور ان کے ساتھ سعودی عرب کی جامعات میں شریعت کے کم و بیش سو (100) طلباء یہاں کے تین ذبیحہ خانوں میں ذبح کے عمل کی نگرانی کرنے اور اس سلسلے میں شریعت کے تمام اصول و قوانین پر عملدرآمد کی یقین دہانی مؤثر بنانے کے لئے پہلے

(۱) [روزنامہ ”نوائے وقت“ ۱۲ مارچ ۲۰۰۰ء]

ہی سے تعینات ہیں، اس بارے میں مطلوبہ اہتمام نہیں کیا جاتا۔ راقم الحروف اس امر پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ انہوں نے میری سفارشات کو نہ صرف سنجیدگی سے لیا بلکہ اس کے مطابق آئندہ توجہ کرنے کی یقین دہانی بھی اپنے باضابطہ خط میں کرائی جس کی اصل راقم کے پاس محفوظ ہے۔

اس امر کے نظر انداز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کو ذبح کرنے میں دو مختلف میدانوں کا معاملہ درپیش ہے۔ جب تک کوئی شخص شریعت کا ماہر اور خوفِ الہی رکھنے کے ساتھ ساتھ طب اور طبِ حیوانی کا ماہر نہ ہو، اسے یہ سمجھنے میں مشکل پیش آ سکتی ہے کہ قصابوں کے کون کون سے داؤ پیچ ہیں۔ کس عمل میں وہ کس حد تک حق بجانب ہیں یا صرف پیشہ ورانہ مہارت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے کس کس لاشعوری عمل سے طبی و شرعی لحاظ سے قربانی کے جانور پر کیا کیا آفات بیت جاتی ہیں۔ اسی طرح قصاب حضرات اور ان کے نگران و ٹرنری ڈاکٹروں کو بھی جب تک اللہ کا خوف نہ ہوگا، وہ یہ بات علماء شریعت سے آخر کیوں پوچھیں گے کہ اس اس عمل سے قربانی کا عمل شرعاً کیا غلط تو نہیں ہو جاتا؟

(4) ذبح کرنے کے اسلامی طریقے کی اصل روح

1- ذبح کرنے والے کو بوقت ذبح دراصل اس جذبہِ قربانی کو یاد کرنا چاہئے جو قربانی کے سارے فلسفہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان بھی اللہ کے راستے میں مسنون طریقہ کے مطابق لٹا دینے کا جذبہ ہی اس کی اصل روح ہے۔ جس کے بغیر قربانی ایک کارِ عبث ہے۔ اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت اپنی موت کو بھی یاد کرنا چاہئے نیز یہ کہ یہ جانور بھی جاندار ہونے کے لحاظ سے بالکل ہماری طرح ہیں، اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ حیاتیاتی عوارض و مراحل ہماری طرح ان پر بھی نیتے ہیں۔

اے اللہ! ہم تیرے بندے ہیں۔ ہمارا اور اس قربانی کے جانور کا مالک، خالق و رب تو ہی

ہے۔ تیرے ہی حکم پر تیری رضا جوئی کے لئے، تیرے راستے میں مسنون طریقہ سے اور تیرے نام سے اپنی عزیز چیز کی قربانی پیش کر رہے ہیں۔ (جہاد و قتال کا) وقت آنے پر ہم اپنی اور اپنے اہل خانہ کی بھی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اسے رائیں تو ہی قبول فرمانے والا اور ہمیں اجر و ثواب سے نوازنے والا ہے۔

ہمارے قصاب بھائی جنہیں پیشہ ورانہ فرائض کے طور پر بہت زیادہ ذبح کرتے رہنا پڑتا ہے۔ مرغی ہو چاہے گائے اونٹ اگر وہ بھی اسی جذبے سے ذبح کرتے رہیں تو نہ صرف انہیں ہر درجہ ثواب ملتا رہے گا، تقرب الی اللہ حاصل ہوتا رہے گا بلکہ موت یا درہنہ کی وجہ سے بھی ان کا دل بہت نرم رہے گا اور انسانی معاملات میں شقاوت کے سے افعال سے بچنا ان کے لئے بہت ہی آسان ہو جائے گا:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ﴾

”اور زمین میں کوئی چوپایہ نہیں اور کوئی پرندہ اپنے پروں سے نہیں اڑتا مگر یہ تمہارے جیسے ہی مخلوق (اُمّتیں) ہیں۔“ [سورة الأنعام: ۳۸]

یہ تو اللہ کی بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا اور ان حلال جانوروں کو ہمارے قبضہ و کنٹرول میں دے دیا ہے تاکہ ہم بحکم الہی ربوقت ضرورت مسنون طریقہ سے ذبح کر کے انہیں اپنی خوراک بنا سکیں اور ہم انہیں اپنی خوراک بناتے بھی رہتے ہیں۔ ایک دن تو بہر حال ہمیں بھی مرنا ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ بلکہ بستر مرگ پر موت تو بہر حال اس سے زیادہ تکلیف دہ ہی ہوگی کیونکہ سب سے کم تکلیف والی موت انسان کے لئے میدان جنگ میں شہادت ہی کی موت ہے جب وہ اپنی عزیز جان کو اپنے خالق حقیقی کے حضور پیش کر دیتا ہے۔

(5) چند اعتراضات اور ان کے جوابات

سوال: قصاب بھائیوں سے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو

وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ جی، اس طرح جانور جلدی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس سے تو جانور کو زیادہ رحم لانا طریقے سے ذبح کرنے کا تاثر ملتا ہے..... ان کی بات میں بڑا وزن معلوم ہوتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں ہم عید قربان کے موقع پر اپنے جانور ذبح نہ کرنے دیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنی مخلوق سے رحم کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ وہ تو سگی ماں سے بھی زیادہ رحیم ہے۔ شروع میں بیان کردہ حدیث کے مطابق وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ ”چھری کو اچھی طرح تیز کرو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ“ کے مطابق اصل رحم تو یہ ہے کہ جانور کو چابک دستی کے ساتھ، آنا فانا، اچانک جرات مندی کی کاٹ کے ساتھ (with a Single Bold Incision) ذبح کیا جائے۔ رہی بات ان کی منطق کی تو وہ محض لاعلمی میں یا عادتاً ایسا کرتے ہیں۔ اس کی ساری خرابیاں ہسٹامین کے حوالے سے پہلے واضح کی جا چکی ہیں۔ نیز یہ کہ بدن میں رکا ہوا یہ خون بھی گوشت کے بھاؤ بک جائے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر کم وقت میں زیادہ جانور ذبح کر کے زیادہ اچھی دیہاڑی بنانے کا معاملہ بھی ہوتا ہے۔

قصاب حضرات (اور گجر بھائی) ہمارے معاشرے کی بڑی اہم برادری ہیں، ذبح کے بعد کھال اتارنے اور گوشت بنانے میں ان کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں جبکہ ہمارا دین ہم سے جانور کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ قربانی کے جانور کو ذبح خود ہی کرنا ہمارا اہم دینی فریضہ ہے۔ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورہ کے سب سے کم الفاظ کے باوجود اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ’وَإِنْ حَرَّ‘ (قربانی کرو) موجود ہے۔ نبی ﷺ نے اس کی تعمیل میں 62 سال کی کبرسنی میں بھی 63 اونٹ خود اپنے دست مبارک سے ذبح کیے، بقیا 37 کے نحر کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا اسلامی فریضہ ہے۔ 10 رذی الحجہ کو اللہ کے راستے میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ ثواب کسی بھی اور کام کا نہیں ہے۔

بڑے بڑے دین دار لوگ اسے خالصتاً دنیا دارانہ، بے رحمانہ کام سمجھتے ہوئے یا عید کے کپڑوں کی شان و شوکت خراب ہونے کے اندیشے سے ذبح کرنے سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یہ کام دینی ہدایات سے واقف اہل علم کی بجائے اُن پڑھ لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ راقم کا اپنا ایک چشم دید واقعہ ہے کہ لاہور کے مضافاتی ایک سلفی مدرسے کے زیر انتظام قصاب حضرات کا فی انتظار کے بعد دو پہر کو آئے، ان کے انچارج صاحب ایک بنیان پہنے جس پر کارٹون سے بنے تھے، گلے میں لاکٹ لٹکائے، فلمی ہیرو کی شکل بنائے ہوئے، نخر کرنے آگے بڑھے۔ ایک ساتھی نے اونٹ کی رسی سے اس کا سر تانے رکھا، اگلی دونوں ٹانگیں پہلے ہی باندھی ہوئی تھیں پھر انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک ہی ہلے میں گردن کے آغاز درمیان اور اوپر تین زخم لگائے اور واپس آ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ رقص کرنے لگے کہ میں نے اکیلے ہی اور ایک ہی ہلے میں اونٹ نخر کر لیا ہے..... قربانی ایسا دینی عمل صرف ایک دنیاوی تماشا بن کر رہ گیا ہے۔ پس اپنی قربانی کو حتیٰ الوسع خود ذبح کرنا چاہیے۔ لیکن مسنون طریقے کے مطابق۔

سوال: ذبیحہ کا معاملہ تو واقعی بہت اہم ہے۔ حلال اور صحت مند گوشت کی فراہمی شریعت کے علاوہ روزمرہ صحت انسانی کا مسئلہ بھی ہے۔ مگر ذبیحہ خانے میں ہم تو نہیں جاسکتے۔ یہ معاملہ ہم کیسے کنٹرول کریں۔ تکبیر کے ساتھ صحیح ذبیحہ حاصل کرنے کے لئے ہم یہ احتیاط کیسے کریں؟

www.KitaboSunnat.com

جواب: اپنا دنیاوی و دینی اثر و رسوخ استعمال کریں۔ اچھے ذہن کے وٹرنری ڈاکٹروں سے رابطہ رکھیں۔ ان کی تنظیم میں شامل ہوں یا انہیں کسی تنظیم میں انتظامی عہدے کی سطح پر شامل رکھیں۔ ان کے ذریعے صحیح مسنون شکل میں ذبیحہ کا گوشت استعمال کریں۔ گوشت کو بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کریں، یہ نیت کرتے ہوئے کہ ”اے اللہ تعالیٰ! اس کھائی جانے والی چیز مثلاً گوشت میں جو جو طبعی آفات (جراثیمی، طفیلیاتی، مرضاتی، گردوغبار کی

آلودگیاں یا کیمیادی زہر، تابکاری وغیرہ) یا روحانی آفات (جیسے جادو، ذبح لغیر اللہ وغیرہ) پوشیدہ ہیں تو ہی ان کو جاننے والا ہے، میں تیری ہی پناہ میں آتا آتی ہوں۔ تو ہی مجھے ان سے محفوظ رکھ سکتا ہے اس لئے کہ کسی مخلوق کا علم ان سب کا اس انداز میں احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔ تو مجھے ان سب سے محفوظ رکھ۔“ اور جو بات اپنے بس اور طاقت سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ وہ معاف فرمائے گا، اس پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی..... ان شاء اللہ ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

سوال: ہم مسلمانوں کے ذبیحہ کی مندرجہ بالا صورت حال تو واقعتاً ہوش ربا ہے مگر قرآن کریم کے مطابق تو یہودیوں کا بھی ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ﴾ پھر آخر اس حد تک تفاوت کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ”یہودیوں کو سنت ابراہیمی کے مطابق جو تعلیمات دی گئی ہیں، وہ ہماری شریعت سے زیادہ سخت ہیں۔ کئی باتیں ایسی ہیں کہ جو ہم اپنے لئے مستحب اور افضل سمجھتے ہیں ان کیلئے وہ فرض تھیں۔ یعنی ان کو ملحوظ نہ رکھنے پر ان کا ذبیحہ حرام ہو جاتا تھا، مثلاً:

1- ذبح کرنے والا شخص عالم دین ہو، اس نے ذبح کرنے کی باقاعدہ تربیت حاصل کی ہو۔ ایسے عالم کو وہ (Sohet) کہتے ہیں۔

2- ذبح کرنے والی چھری کی دھارا سترے کی مانند تیز ہو، اس پر دندانے نہ ہوں۔ اتنی تیز ہو کہ ایک ہی مرتبہ ایک ہی سمت میں چلائی جائے (اور ذبح کا عمل مکمل ہو جائے)۔ اس عمل میں نہ تو زیادہ زور لگایا جائے اور نہ چھری کو بار بار چلایا جائے۔ اگر جانور کی رگیں ایک ہی حرکت (Only One Bold Incision) سے نہ کٹ سکیں تو گوشت حرام ہو جائے گا۔

3- جانور کے ذبح کے بعد معائنہ کر کے دیکھا جائے کہ وہ صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے۔ اس کی ٹانگ کے ساتھ ایک سرٹیفکیٹ بصورت ٹیگ لگایا جائے۔ جس پر عبرانی زبان

میں ”کھانے کے لئے پاک کر دیا گیا“ کے علاوہ ڈرائنگ کی شکل میں ایک مارکہ اور ذبح کرنے والے کا نام، تاریخ اور جگہ مرقوم ہوتی ہے..... ایسٹ اینڈ (لندن) میں وسیع کاروبار والے عبداللہ نامی یہودی قصاب سے ایک مرتبہ مرغی خریدنے کا اتفاق ہوا تو اس کی ٹانگ کے ساتھ ذبیحہ کی درستی کے متعلق ذبح کرنے والے کی تصدیق کا ٹیک منسلک تھا۔

4- ذبح کرنے کے بعد جانور کو نمک لگایا جائے تاکہ جانور کے جسم سے باقی کا بھی رہا سہا سارا خون باہر نکل آئے۔ (۱)

ہمارے ہاں علماء کرام اول تو جانور خود ذبح ہی نہیں کرتے ہیں۔ قصاب پر ہی سارا معاملہ چھوڑ دیتے ہیں۔ دوم جو کرتے ہیں تو صحیح مقام اور صحیح انداز سے ذبح کرنے کے تربیت یافتہ نہیں ہوتے۔ چھری کے استعمال کے بارے میں بھی عوام میں انتہا پائی جاتی ہے، کبھی تو اتنی تیز ہوتی ہے کہ ایک ہی جھٹکے میں مرغی کی گردن تلوار کی طرح ساتھ ہی کاٹ کر پھینک دی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عید قربان کے موقع پر کند چھری سے ہی ذبح کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

راقم ایک دفعہ قریبی دکان سے مرغی کا گوشت لینے گیا، دوکاندار نے مرغی ذبح کر کے ڈرم میں پھینک دی، ڈرم میں کچھ دیر تک مرغی کے پھڑ پھڑانے / پھڑکنے کی آواز نہ آئی تو راقم نے آگے ہو کر ڈرم میں جھانکا، اف میرے اللہ! وہاں یہ تکلیف دہ منظر دکھائی دیا کہ مرغی ڈرم میں کھڑی تھی، اس کی گردن سے قطرہ قطرہ خون نکل رہا تھا، اگر ڈرم نہ ہوتا تو وہ بھاگ جاتی، گویا کہ اسے مرغی بسل کی طرح صرف تکلیف سہنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ توجہ دلانے پر دکاندار نے مرغی کو ڈرم سے نکالا، دو بارہ چھری پھیری، تو وہ معصوم بے زبان جان دے سکی۔ انا لله وانا اليه راجعون!

چھری، چاقو اور نشتر ایک ہی سمت میں چلانے سے تکلیف کم ہونے کی حقیقت سرجن

(۱) (طب نبوی، باب: یہودیوں میں جانوروں کا ذبیحہ، خلاصہ صفحہ ۴۹۶)

اور وہ مریض جنہوں نے کبھی جراحی صغیرہ کرائی ہو، جان سکتے ہیں۔ ڈاکٹری میں نشتر پیچھے کی طرف نہیں چلایا جاتا۔

ماحصل:

1- تقرب الی اللہ کے جذبہ سے مسنون طریقے سے تکبیر پڑھتے ہوئے چھری پھیرنے کے فوراً بعد جانور کے طبعاً ٹھنڈا ہو جانے تک اس کی گردن موڑ مروڑ کر منکا ہرگز نہیں توڑنا چاہیے اور (چھری کی نوک وغیرہ سے) حرام مغز کی بتی ہرگز ہرگز نہیں کاٹنی چاہیے۔ اس کے لئے مینڈھے، بکرے، گائے کے طبعاً ٹھنڈا ہونے میں اندازاً 2 سے 5 منٹ تک صبر سے انتظار کرنا نہایت ضروری ہے۔

2- انتظار کے ان چند منٹوں میں اپنی موت کو بھی یاد کرنا چاہیے۔ تقرب الی اللہ کے جذبہ کو خالص سے خالص تر اور لوجہ اللہ تازہ کرنا اور رکھنا چاہیے جیسا کہ مضمون کے چوتھے حصے (اصل روح) میں ذکر ہوا ہے۔

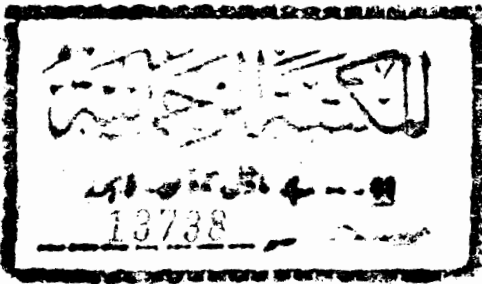
3- جانور کے جسم سے حتی الوسع تمام خون نکل جانے، اس کے بے حس و حرکت ہو جانے سے جان مکمل طور پر نکل جانے (جسے پاؤں کی ٹھوکریا جانور کے بدن کو جھنجھوڑنے سے چیک کیا جاسکتا ہے) کے بعد ہی کھال اتارنا شروع کرنا چاہیے۔ اس عمل کے آخر میں گردن کو موڑا بلکہ الگ بھی کیا جائے گا..... یہی اس مضمون کی بڑی وجہ تالیف ہے۔

ہم سبھی کو چاہئے کہ ہم تقویٰ اور خوف الہی کو اپنا مستقل شعار بنائیں۔ اس خصوصی التزام کے ساتھ علمائے شریعت اور علمائے طب حیوانی اور صحت انسانی سے اس بارے میں خصوصاً رہنمائی اور مخلصانہ مشورہ ہمیں انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُسوۂ حسنہ کے مطابق ذبح کا عمل انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

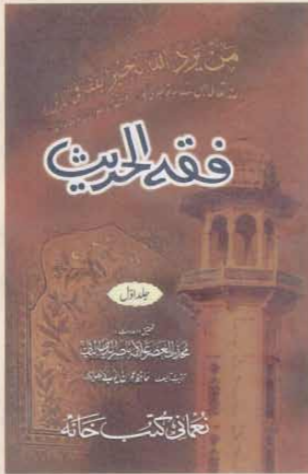
عبد

W

www.KitaboSunnat.com



اسلامی طرز زندگی متعلق فقہی احکام مسائل فقہ کی معروف کتب "الدر البہیہ" کا ترجمہ و تشریح بمذہب تخریج و تحقیق



یہ کتاب امام شوکانیؒ کی فقہی مسائل پر مبنی جامع کتاب (الدر البہیہ) کی اردو زبان میں سہل و آسان انداز میں لکھی گئی شرح ہے جس میں الفاظ کی لغوی و اصطلاحی تشریح، مذاہب فقہاء اور دلیل کی رو سے راجح موقف کی نشاندہی کی گئی ہے اسے ہمارے ارشد تلامذہ میں سے **حافظ عمران ایوب لاہوری سلمہ اللہ** نے بڑے ہی سلیجے ہوئے فقہانہ انداز میں مرتب کیا ہے۔ اور اس بے جانتا پھیلائے والوں کی بھی نفی کر دی ہے کہ کتاب و سنت کے پیروکار فقہی مسائل و معاملات کی صحیح سمجھ و بصیرت نہیں رکھتے ہیں۔

احادیث کی تحقیق کے لئے سب سے زیادہ اعتماد علامہ ناصر الدین البانیؒ کی تحقیق پر کیا گیا ہے۔ علامہ البانیؒ کی تحقیق کے علاوہ جن دیگر علماء

محققین کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام بیہقیؒ، امام حاکمؒ، ذہبیؒ، حافظ بصریؒ اور عصر حاضر کے شیخ شعیب اوزر نوویؒ، شیخ عبدالقادر ارنوٹؒ، شیخ محمد صبحی حسن خلاقؒ، شیخ علی محمد معوضؒ، شیخ عادل عبدالوجود اور شیخ حازم علی قاضی وغیرہ شامل ہیں۔

احادیث کی تخریج کے لئے معیاری نمبرنگ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مسائل میں آئندہ کے موقف کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر دیگر آئمہ و فقہاء مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ابن قدامہؒ، امام شوکانیؒ، امام ابن منذرؒ، امام ابن حزمؒ، امام صنعانیؒ، شمس الحسن عظیم آبادیؒ، عبدالرحمان مبارکپوریؒ، نواب صدیق حسن خاںؒ، سید سابقؒ، علامہ ناصر الدین البانیؒ، شیخ ابن بازؒ، شیخ صالح بن عثمانؒ، شیخ ابن جبرینؒ، شیخ ابن فوزانؒ، شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخؒ، شیخ عبدالرحمان سعدیؒ اور سعودی مجلس افتاء میں شامل علماء کے اقوال و فتاویٰ جات بھی نقل کیے گئے ہیں۔

اختلافی مسائل میں قرآن و سنت کے زیادہ قریب اور راجح موقف کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اردو عبارت اتنی آسان رکھی جائے کہ عام فرد بھی اس سے مستفید ہو سکے۔

یہ فقہ الحدیث کے ذخیرہ میں گراں قدر اضافہ، مایہ ناز کاوش، دلائل و مسائل کا عظیم ذخیرہ اور شرعی احکامات کا منبع ہے۔

ابوالحسن مبشر احمد رمانی عفا اللہ عنہ



نعمانی مکتبہ کتب خانہ
اردو بازار لاہور

E-Mail: nomania2000@hotmail.com

مکتبہ
نعمانی